



کیا اختلاف رحمت ہے؟

مرتب کبیرہ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کی وسطیت

کیا علی رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے قنوت میں بددعا...

بیچ وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد مع فضائل ومسائل (دوسری قسط)

امن وسلامتی کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار

# سنہری قول

جس شخص نے

رسول اللہ ﷺ

کی حدیث کو رد کر دیا  
تو وہ ہلاکت کے کنارے پر

امام اہل السنہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَنْ رَدَّ حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَهُوَ عَلَى شَفَا هَلَكَةٍ"

"جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کر دیا تو وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے۔"

(مناقب الإمام أحمد لابن الحوزي بتحقيق عبد الله التركي، ص: 249، وقال الحافظ زبير علي زني: اسنادہ صحیح)

AHL US SUNNAH Volume No.6, Issue No.65, March-2017

جلد: ۶

فی شماره - 30/ Rs.

شماره: ۶۵

سالانه - 300/ Rs.

مارچ ۲۰۱۷ء

ماہنامہ

# اهل السنة مبینی

مدیر اعلیٰ: رضاء اللہ عبدالکریم مدنی | معاونین: ابوالبیان رفعت سلفی، اسرار احمد سلفی، حافظ اکبر علی سلفی  
مدیر: عبدالشکور عبدالحق مدنی | فور میٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی  
مدیر اعزازی: انصار زبیر محمدی | گراکٹ ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ٹیل

مجلس مشاورت

- شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی
- شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میکزین ممبر شپ رابطہ نمبر: 8291063765

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,  
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400058 | Ph.:022-26500400  
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl. Estate, Pannalal  
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,  
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

# الاسئلة

05	عبدالغفور بن عبدالحق	کیا اختلاف رحمت ہے؟	اداریہ
07	انسار زبیر محمدی اعظمی	مسلمان کے جان و مال کی قیمت	درس حدیث
10	رضوان اللہ عبدالرؤف سراجی	تربیت اولاد کے چند نئے	اصلاح سماج
15	اشفاق احمد سائلی	مرکب کبیرہ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کی وسطیت	عقیدہ و منہج
21	تحریر: علامہ محمود شاہ کریم رحمہ اللہ ترجمانی: محمد عطاء الرحمن انبندی	ہو امیہ پر الزامات کا جائزہ (تیسری قسط)	بحث و نظر
30	کفایت اللہ سائلی	کیا علی رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے قوت میں بددعا...	بحث و تحقیق
38	حافظ اکبر سلفی	بیچ وقتہ نمازوں کی سنن کی تعداد مع فضائل و مسائل (دوسری قسط)	فضائل و مسائل
40	اکبر علی سلفی	باپ کی عظمت کے ایک اہم واقعہ کی حقیقت	فطرت نبوی کا ازالہ
43	شمیم احمد عبدالکیم، الشوزی المدنی	امن و سلامتی کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار	محاسن اسلام
43	ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی	طلاق کے چند مسائل	فقہ و فتاویٰ



# کیا اختلاف رحمت ہے؟

عبدالحکوم بن عبدالحق

اور اس آیت کی تفسیر و توضیح مسند احمد میں مروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں راوی حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے زمیں پر ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کی راہ ہے، پھر اسکی دایمیں طرف چند لکیریں کھینچی اور اسکی بائیں جانب کچھ لکیریں کھینچی، پھر فرمایا یہ الگ الگ راہیں ہیں ان راہوں میں سے ہر راہ پر ایک شیطان کھڑا ہے جو اس راستے کی طرف بلا رہا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الأنعام: ۱۵۳) (مسند احمد: ۴۱۴۲، رقم: ۵۱۵۵، ۱۶: حسن صحیح)

ایک دوسرے مقام پر اللہ رب العزت نے اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتے ہوئے اور اختلاف و افتراق سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ فُلُوكُمْ فَاُصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی تمام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچا لیا اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے

آج امت مسلمہ ان گنت مصائب و محن سے دوچار ہے، ذلت و بکثت کی گھنگھور گھنائیں اس پر چھائی ہوئی ہیں، قومی و بین الاقوامی ہر سطح پر وہ لاچار و بے بس، بے مایہ و بے سرمایہ ہے۔ دین و دنیا ہر دو محاذ پر شکست و ریخت کا نمونہ ہے۔ بلکہ دنیاوی تنگ و دوکے ہر شعبہ، ہر اسٹیج پر وہ ناکام و نامراد ہے۔

اس صورت حال کے متعدد اسباب و وجوہ ہیں۔ ان میں ایک امر ایسا بھی ہے جو بعض وجوہ سے ان حالات کے جملہ اسباب میں سے بھی ہے اور ان دیگر گوں احوال و کوائف کا ایک جیٹا جائگنا مظہر بھی۔ ایک ایسی حقیقت جسکی مذمت و برائی اور اسکے نقیض کی مدحت و تعریف میں قرآن و حدیث کے بے شمار نصوص وارد ہیں۔ مختلف پیرائے بیان اور گونا گوں انداز خطاب میں اسکی اہمیت، اثرات و نتائج کو ان نصوص میں بیان کیا گیا ہے۔

اور یہ کچھ اور نہیں مسلمانوں کا اتحاد اور اسکی ضد انکا اختلاف ہے۔ آئیے رب کے قرآن اور نبی کے فرمان سے اس موضوع کیلئے ذرا خوشہ چینی کرتے ہیں۔ اور پھر ایک شبہ کا بھرم کھولتے ہیں۔

اللہ و الجلال نے سورہ انعام میں ارشاد فرمایا: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الأنعام: ۱۵۳) اور یہ کہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکید کی حکم دیا ہے تاکہ تم پر بیزارگی اختیار نہ کرو۔



اقتداء کرو گے ہدایت یاب ہو جائے گے۔ یہ حدیث بھی موضوع ومن گھڑت ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: السلسلۃ الضعیفہ - للالبانی، رقم: ۵۸، ۵۹، ۶۱)

اس خام خیالی اور کج فہمی کی تردید کے لئے یہ کافی ہے کہ کتاب وسنت اسکی تردید سے لبریز ہیں اور جو دلیلیں اس غلط فہم کی تائید کے لئے پیش کی جارہی ہیں وہ تاریکیوں سے بھی کمزور ہیں۔

اور کیونکر ممکن ہے کہ اختلاف امت رحمت ہو جبکہ سورہ ہود میں اللہ رب العزت نے خود فرمادیا ہے کہ: ﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ، إِلَّا مَن رَّجَعْنَا لِرَبِّهِ﴾ (ہود: ۱۱۸-۱۱۹) وہ تو برابر اختلاف کرنے والے ہی رہیں گے۔ بجز ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے۔

تو اگر جن پر اللہ کی رحمت ہو وہ اختلاف نہیں کرتے بلکہ اہل باطل اختلاف کرتے ہیں تو پھر اختلاف رحمت کیسے ہو سکتا ہے؟

اس مسئلہ پر ائمہ کرام کے اقوال کا ایک نمونہ بھی دیکھ لیں ابن القاسم فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک اور امام لیث رحمہما اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ صحابہ کرام کے اختلاف اس طرح نہیں تھے جیسا لوگ کہتے ہیں کہ ان کے اختلاف میں لوگوں کے لئے وسعت و کشادگی ہے۔ بات ایسی نہیں ہے بلکہ جن مسائل میں ان کے مابین اختلافات ہوئے ہیں ان میں ایک غلطی پر تھا اور دوسرا رتی پر۔ (جامع بیان العلم لابن عبد البر: ۸۱۲-۸۲)

اور اگر ان کے بقول اختلاف رحمت ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے دامن پھیلنا پھیلا کر اس رحمت کو مانگا جائے کہ اے پروردگار اس امت کو اس رحمت سے بھر دے، مگر ہر مرحلہ ہر گاہ ہر شہر ہر ملک پر اس رحمت اختلاف کی رکھا بر سے! اور شاید کوئی صاحب عقل ایسا نہیں کریگا۔

فی الحال اسی پر اکتفا۔ آئندہ کسی موقع پر اس موضوع کی اور پرتیں کھولی جائیں گی۔

تم اسکی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اللہ کی رسی کو ملکر مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم: ۱۷۱۵) ایک دوسری حدیث میں افتراق سے ہوشیار کرتے ہوئے اور اجتماعیت کی ہدایت دیتے ہوئے رحمت دو عالم نے فرمایا: ”جماعت کو لازم پکڑو اور فرقہ بندی سے بچو کیوں کہ شیطان تمہا شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو لوگوں سے ایک کی بنسبت زیادہ دور رہتا ہے۔ اور جو جنت کے درمیان میں جگہ چاہتا ہے اسے چاہئے کہ جماعت سے جڑا رہے۔“ (سنن ترمذی: ۲۱۶۵، و صحیحہ الالبانی فی صحیح الجامع: ۲۵۳۲)

یہ تمام نصوص اس حقیقت کو اظہار من الشمس کر دیتے ہیں کہ اتحاد رحمت ہے اور اختلاف زحمت و تھمت ہے۔ لیکن مسلمانوں میں کچھ جماعتیں اور فکری رجحانات اس اصول کو غلط قرار دینے کی ناکام کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اور مذکورہ تمام نصوص کو پس پشت کرتے ہوئے اس بات کا دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اختلاف امت رحمت ہے۔ اور اس خام خیالی میں خود جتنا ہیں اور امت کے سادہ لوح افراد کو باور کرانے کی تنگ دوو میں ہیں کہ ان اختلافات کو باقی رکھتے ہوئے بھی امت متحد ہو سکتی ہے۔ اور اس موضوع کا سب سے عجیب پہلو یہ ہے کہ بیماری کو علاج قرار دیا جا رہا ہے۔

اور اپنی اس کج فکری کے گھروندے کے لئے تنکوں کا سہارا لیا جا رہا ہے اور زور شور سے یہ دعویٰ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں میں اس فکر کو بیان فرمایا ہے چنانچہ یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ (اختلاف امتی رحمت) میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ جبکہ علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مجھے اس قول کی کوئی طبع، ضعیف یا موضوع ومن گھڑت سند تک نہ مل سکی۔“

اختلاف امت کے رسیا ایک اور لفظ پیش کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اختلاف اصحابی رحمت) میرے صحابہ کا اختلاف رحمت ہے۔ جبکہ یہ حدیث بھی حد درجہ ضعیف ہے۔ ایک تیسری حدیث بھی پیش کی جاتی ہے ”اصحابی کالنجوم، باہیم اقتدیتم اھتدیتم“ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی



# مسلمان کے جان و مال کی قیمت

انصارِ نبویؐ

ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، بلکہ سخت الفاظ میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو پھینکا اور کہا! کیا تم نے اسے لالہ الا اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا، قیامت کے دن اس کے لالہ الا اللہ کا کیا کرو گے؟ معلوم ہوا کہ لالہ الا اللہ کی بڑی قیمت ہے، صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیمہ کے دن علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر جہنم ان کے حوالے کیا اور فرمایا: جاؤ اور اس وقت تک مڑ کر نہ دیکھنا جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے فتح نہ کرا دے، علی رضی اللہ عنہ تھوڑی دور چلے، پھر رک کر زوردار آواز لگائی اور کہا: یا رسول اللہ! میں کس بات پر لوگوں سے قتال کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں سے اس وقت تک قتال کرو جب تک کہ وہ لالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دے دیں، پس جب وہ ایسا کرنے لگیں تو ان کا مال اور خون تم سے محفوظ ہو جائے گا، مگر اس کے حق کے ذریعہ، اور ان کا حساب اللہ عزوجل کے ذمہ ہے۔ (رواہ مسلم: ۲۳۰۶)

اس حدیث میں مطلق طور پر کلمہ شہادت کو جان و مال کی حفاظت کی ضمانت قرار دیا گیا ہے، مگر اس کے حق کے ذریعہ، اور اس کا حق یہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ سے انسان رک جائے، جیسا کہ صحابہ کرام نے اس حدیث کا یہی مفہوم سمجھا تھا۔

بے نمازی اور زکوٰۃ نہ دینے والوں سے قتال کرنے پر یہ آیت بھی دلیل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخُذُوا إِلَيْكُمْ فِي الدِّينِ﴾ (سورۃ التوبہ: ۱۱) ہاں گریہ تو بے کرلیں اور صلاۃ قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۹۳) اور ان سے جنگ کر جی کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ان رسول اللہ ﷺ قال: أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا اله الا الله وأن محمداً رسول الله، و يقيموا الصلاة، ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلك، فقد عصموا مني دماءهم وأموالهم، إلا بحق الإسلام، وحسابهم على الله تعالى۔ (رواہ البخاری: فی کتاب الايمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاة، رقم: ۲۵، ومسلم: فی کتاب الايمان، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله، ومحمد رسول الله، رقم: ۲۲) الا بحق الاسلام کے الفاظ صرف بخاری کے ہیں مسلم کے نہیں۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں، جب تک کہ وہ لالہ الا اللہ کی گواہی نہ دے دیں، اور جب تک کہ نماز قائم نہ کریں، اور زکوٰۃ ادا نہ کریں۔ جب وہ ان کاموں کو کرنے لگیں گے تو میں جنگ روک دوں گا، اور وہ مجھ سے اپنی جان و مال محفوظ کر لیں گے۔ مگر یہ کہ اسلام کے بیان کردہ کسی حق کی وجہ سے ان کا خون یا مال حلال ہو جائے، اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

حدیث کا موضوع:

مسلمان کے جان و مال کا احترام ضروری ہے۔

یہ حدیث قتال کے اصول مقرر کرتی ہے، غیر مسلموں کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس اگر کوئی آکر اسلام قبول کرنا چاہتا تو آپ ﷺ اسے کلمہ شہادتین کی تلقین کرتے، اور پھر اسے مسلمان بنا دیتے، اس کے بعد اس کا مال اور خون محفوظ رہتا، اسی لئے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر اس وقت تکیر کی جب انہوں نے لالہ الا اللہ کہنے کے باوجود



ابوبکر کے اس موقف کی وجہ سے میں سمجھ گیا کہ اللہ نے قتال کے لئے آپ کا سینہ کھول دیا ہے، پس میں جان گیا کہ حق یہی ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۸۳۷ و صحیح مسلم: ۳۲)

عمر رضی اللہ عنہ نے شروع میں یہ سمجھا تھا کہ صرف کلمہ توحید کا اقرار کر لینے سے انسان کا خون حرام ہو جاتا ہے، جیسا کہ بہت سارے لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے انسان جہنم سے نجات پا جائے گا، حالانکہ یہ موقف درست نہیں ہے، اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے موقف سے رجوع کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات کو اپنا لیا تھا۔

اس حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ تارک صلاۃ سے قتال کیا جائے گا جس طرح زکاۃ نہ دینے والے سے قتال کیا جائے گا۔

تین صورتیں ایسی ہیں جہاں ایک مسلمان کا خون حلال ہو جاتا ہے، جیسا کہ صحیحین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لا یحل دم امری مسلم یشهد أن لا إله الا الله وأنی رسول الله الا باحدى ثلاث: الفیء الزانی، والنفس بالنفس، والتارک لدينه المفارق للجماعة“۔ (صحیح بخاری: ۶۸۷۸ و صحیح مسلم: ۱۶۷۶)

کسی مسلمان کا خون نہیں حلال ہے مگر تین جگہوں پر، شادی شدہ زنا کار، خون کے بدلہ خون۔ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جانا۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ اسلام لانے کے بعد ان کے ظاہر پر حکم لگا دیا جائے گا، اور ان کا معاملہ ان کی نیکیوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ انسان کی سچی نیت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے اور نیکیوں کے فساد ہی کی وجہ سے جہنم رسید کریں گے۔ ظاہر کو دیکھ کر ہم اس کا جنازہ پڑھیں گے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے، خواہ خواہ اس کی نیکیوں پر حملہ کر کے اسے اسلام سے بدعنوان نہیں کریں گے، بلکہ یہ سوچ کر اس سے جنت و نکرا نہیں کریں گے کہ اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔

مسائل:

- ۱۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر لبیک کہنا چاہئے۔
- ۲۔ جب جہاد کے اسباب فراہم ہوں تو جہاد فرض ہے۔
- ۳۔ عزت اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہے۔
- ۴۔ کفر اور مشرکین کے لئے ذلت ہے۔

﴿وَمَا أَمْرُو إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ خُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ (سورۃ البینہ: ۵)

اور انہیں حکم تو یہی دیا گیا تھا کہ خالص اللہ کی عبادت کریں، پوری طرح یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں اور یہی صحیح دین ہے۔

جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی قوم سے جنگ کیلئے نکلتے تھے تو صبح کا انتظار کرتے، اگر وہاں سے فجر کی اذان سنائی دیتی تو حملہ نہیں کرتے، اس خوف سے کہ شاید اسلام میں داخل ہو گئے ہوں اور اگر اذان نہ سنائی دیتی تو حملہ کر دیتے۔ (اخر جرحہ البخاری: حدیث نمبر: ۶۱۰)

یہ تمام باتیں اس کی صراحت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اسلام میں داخل ہونے والوں کی بڑی رعایت کیا کرتے تھے، صحیحین میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہو گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب کئے گئے، اس وقت کچھ لوگ اسلام سے مرتد بھی ہو گئے، چنانچہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کرنا چاہا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ان سے کیسے جنگ کریں گے؟ جب کہ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ”أمرت أن أقاتل حتى يشهدوا أن لا إله الا الله وأن محمداً رسول الله، ويقیموا الصلاۃ، ویؤتوا الزکاۃ، فاذا فعلوا ذالک، فقد عصموا منی دماءهم وأموالهم، الا بحق الاسلام، وحسابهم علی الله تعالیٰ“ مجھے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں، جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی نہ دے دیں، اور جب تک کہ نماز قائم نہ کریں، اور زکاۃ ادا نہ کریں۔ جب وہ ان کاموں کو کرنے لگیں گے تو میں جنگ روک دوں گا، اور وہ مجھ سے اپنی جان و مال محفوظ کر لیں گے۔ مگر اسلام کے حق کی وجہ سے اور ان کا حساب اللہ عز و جل کے ذمہ ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اللہ کی میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو صلاۃ اور زکاۃ کے درمیان فرق کرے گا، اس لئے کہ زکاۃ مال کا حق ہے، قسم اللہ کی اگر وہ ایک عقول دینے سے بھی رک جائیں گے جسے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیا کرتے تھے تو اسے روک لینے کی وجہ سے میں ان سے جہاد کروں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم

و جنت دی تو کسی کو تھنہ اقتدار سونپنا اور جو کچھ بھی اس نے ہم کو دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک امانت بھی ہے اللہ کی دی ہوئی اس نعمت کا استعمال ہمیں کیسے کرنا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا ضابطہ بھی بتلا دیا ہے ایسا نہیں ہے کہ ہم اس کی دی ہوئی نعمتوں کا استعمال اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہیں ویسا کریں اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا غلط استعمال ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت میں خیانت ہوگی اور یہ بات آپ سبھی کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا غلط استعمال عذاب الہی کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَنْ يَشْكُرَكُمْ لَأَيُّكُمْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ ”اگر تم نے شکر ادا کیا تو ہم تمہیں مزید دیں گے اور اگر تم نے ناشکری کی تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے“ (ابراہیم: ۷)

اور امانت میں خیانت کرنا کمال ایمان سے اپنے آپ کو محروم کرنا ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ“ وہ شخص ایمان والا نہیں جس کے اندر ایمان داری نہیں اور اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں جس کے اندر معاہدے کی پاسداری نہیں۔ (مسند احمد: ۱۳۱۹۹، و صحیحہ الاتہانی فی صحیح الترغیب والترہیب: ۱۵۶/۳، ۲۰۰۳)

اور ایک دوسری روایت کے مطابق عملی طور سے منافقت ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”أَيُّهُ الْمُنَافِقُ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا أَؤْتِمِنَ خَانَ“ منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وہ وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے (۳) جب ائین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۸۲، صحیح مسلم: ۵۹)

اور اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت اور ایک امانت ہے لہذا جس طرح ہر نعمت کی پاسداری اور استعمال کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے اسی طرح اولاد کے تئیں بھی ہمیں حساس رہنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَفُؤُوهَا النَّاسَ وَالْحِجَارَةَ عَلَيْهَا مَلَأْنَا غُلَاطَ شِدَادٍ لَا يَغْنُصُونَ اللَّهُ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو

۵۔ زمین پر امن و امان صرف اللہ کی شریعت کے نفاذ ہی سے قائم ہو سکتا ہے۔

۶۔ اسلام کی اصل توحید ہے۔

۷۔ اگر کوئی زبان سے کلمہ توحید کا اقرار کرے تو اس سے قتال جائز نہیں۔

۸۔ کلمہ ظاہر پر لگا دیا جائے گا۔

۹۔ اخلاص اور متابعت ہی کا نام اسلام ہے۔

۱۰۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اقرار ضروری ہے، اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے لیکن محمد رسول اللہ کا اقرار نہ کرے تو اس سے بھی قتال کیا جائے گا۔

۱۱۔ صلاۃ قائم کرنا فرض ہے۔

۱۲۔ زکاۃ کو اس کے مستحقین تک پہنچایا جائے گا۔

۱۳۔ صلاۃ اور زکاۃ کے وجوب کا منکر کا فر ہے۔

۱۴۔ مسلمان کا مال اور خون حرام ہے۔

۱۵۔ اسلام نے دنیا و آخرت میں اپنے ماننے والوں کو تحفظ کی امید دلائی ہے۔

۱۶۔ اگر کسی نے اسلام کے ایک رکن کا بھی انکار کیا تو وہ کافر ہے۔

۱۷۔ یوم آخرت پر ایمان لانا واجب ہے۔

۱۸۔ تمام مخلوقات کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، رسول کا کام دعوت پہنچانا دینا ہے، حساب لینا اللہ کا کام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضَيِّطٍ﴾ (انعام: ۲۲) آپ ان پر محاسب نہیں ہیں۔ ﴿إِنَّا إِلَٰهِنَا بِأَنبِئِهِمْ، ثُمَّ إِنَّا عَلَيْنَا جِسْمَانَهُمْ﴾ (انعام: ۲۶-۲۵) بلاشبہ انہیں ہماری طرف ہی واپس آنا ہے، پھر ان کا حساب لینا ہمارے ذمہ ہے۔

۱۹۔ داعی الی اللہ کو چاہئے کہ حق بات بتا کر اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرے۔

## اصلاح سماج

# تربیت اولاد کے چند نسخے

رضوان اللہ عبدالرؤف سراجی

محترم قارئین! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صاحب ثروت بنایا تو کسی کو دولت علم سے آراستہ کیا، کسی کو جاہ

اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جس پر سخت دل مضبوط فرماتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجا لاتے ہیں۔ (التحریم: ۶)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو ایک اہم ذمہ داری تربیت اولاد کی طرف توجہ دلائی ہے تاکہ ان کی اولاد جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائے اور نیکیوں کی خوشگوار ہو لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے اولاد کی تربیت کیسے کریں؟ کس طرح پر کریں؟ تربیت کا کیا انداز ہونا چاہئے؟ مندرجہ ذیل طور میں اسی جانب توجہ دلائی جا رہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا نسخہ ہے جو ہمیں اور ہماری اولاد کو جہنم کی آگ سے بچائے گا؟ اس سلسلے میں بے شمار نسخے ہیں جنہیں ہم اپنا کر اپنے ساتھ اپنے بچوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچا سکتے ہیں، لیکن اسی تناظر میں رسول گرامی ﷺ کی ایک معروف و مشہور حدیث ملاحظہ کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ”كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَقَالَ يَا غُلَامُ إِنِّي أَعْلَمُكَ كَلِمَاتٍ احْفَظْ اللَّهُ يَحْفَظْكَ احْفَظْ اللَّهُ تَجِدْهُ فَجَاهِدْكَ إِذَا سَأَلْتُ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعْنَيْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رَفَعْتَ الْأَقْلَامَ وَجَعَلْتَ الصُّحُفَ“ میں ایک دن (سواری پر) نبی اکرم ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے لڑکے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں وہ یہ کہ ہمیشہ اللہ کو یاد رکھو وہ تجھے محفوظ رکھے گا اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو اسے تو اپنے سامنے پائے گا جب تو مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور اگر مدد طلب کرے تو صرف اسی سے مدد طلب کر اور جان لو کہ اگر پوری دنیا کے لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچائیں تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا اس لئے کہ قلم اٹھا دیے گئے اور صحیفہ خشک ہو چکے۔ (مسند الترمذی: ۶۲۳۵)

اور مسند احمد کی روایت میں ہے ”احْفَظْ اللَّهَ يَحْفَظْكَ احْفَظْ اللَّهَ تَجِدْهُ أَمَّا مَكَتُ تَعْرِفُ إِلَيْهِ فِي الرَّخَاءِ يَغْرِفُكَ فِي الشَّدَّةِ وَإِذَا سَأَلْتُ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعْنَيْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ قَدْ جَعَلَ الْقَلَمُ بَهَاوُ كَاتِبٍ فَلَوْ أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ جَمِيعًا أَرَادُوا أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ وَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَيْهِ“ واعلم أَنَّ فِي الضَّرِّ مَاتَكَوْهُ خَيْرٌ كَيْفًا وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الضَّرِّ وَأَنَّ الْفَرْجَ مَعَ الْكَوْبِ وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ تو اللہ کا خیال رکھو تو اس کو اپنے سامنے پائے گا تو خوش حالی میں اللہ کو پہچان دو تجھے مصیبت میں پہچانے گا (یعنی تیری دست گیری فرما گے گا) اور جب تو مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور اگر مدد طلب کرے تو صرف اسی سے مدد طلب کر قلم اس چیز پر سوچ چکا ہے جو ہونے والا ہے اگر پوری مخلوق اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائے تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا اور یہ (بھی) جان لے کہ تا پسندیدہ چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی بھلائی ہے۔ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ کشادگی، تکلیف کے ساتھ اور آسانی تنگی کے ساتھ ہے۔ (مسند احمد ۱: ۳۰۴، ۳۰۳، ۲۹۳ و صحیحہ شعیب الارنؤوط و رفقہ)

معلوم ہوا کہ بچوں سے نبی ﷺ کو بڑی محبت ہو کر تھی اسی لئے نبی ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور نصیحت سے پہلے انہیں ”یا غلام“ کہہ کر اپنی جانب مائل کر لیا تاکہ وہ متنبہ ہو جائیں اور باتیں بغور سنیں کیوں کہ یہ کلمات بڑے عظیم معانی پر مشتمل تھے گویا بچوں کو کچھ سکھانے سے پہلے ذمہ دار ایسا رویہ اپنائیں کہ بچہ خود بخود ہماری طرف متوجہ ہو جائے جیسا کہ آپ ﷺ کا طریقہ تھا۔

گویا بچوں کو اطاعت الہی اور معصیت سے دوری کا حکم دینا چاہئے کیوں کہ یہ نصیحت ان کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

وہ مومن بندہ جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہر حال میں یعنی خوش حالی و مالداری اور ترندستی تمام حالات میں کرتے رہتا ہے



بجائے اسکول بھیجتی ہے، جب ہم اپنے بچوں کو اسکول بھیجیں گے تو وہاں جو قانون ہے اسی کے مطابق سارے کام بچوں سے کرائے جائیں گے، اگر مشنری اسکول ہے تو ان کی اپنی ترجیحات ہوں گی، یا کسی کا بھی ہوگا تو ہر ایک کا کام اپنے عقیدے کے اعتبار سے ہوگا اور بچے کے وہاں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے وہ سارے کام کرنے ہوں گے چاہے بچہ راضی برضا کرے یا بادل ناخواستہ پر اسے کرنا ہوگا، پھر بچہ اسلامی حیثیت سے زندگی گزارے گا یا کسی اور طرح سے؟ یہ فیصلہ ہم خود کریں اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ دین دار بنے تو بغرض تعلیم اسی ادارے میں داخل کیجئے جہاں دینی اعتبار سے بچے کی پرورش ہو سکے۔

اس کے علاوہ جب بچہ بولنے لگے (ویسے یہ بات یاد رہے کہ بچہ اگر نہیں بولتا ہے تو اس وقت بھی وہ سیکھتا رہتا ہے کیسے؟ جب آپ بولتے ہیں تو بچہ آپ کی بات سنتا ہے اور اسے سمجھ کر تا ہے، گو یا بولنے وقت آپ کو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ بچے کے سامنے کوئی ناشائستہ جملہ نہ بولیں) تو ہم اسے دینی کلمات بولنا سکھائیں مثلاً اللہ اللہ اللہ کہنے کی تلقین کریں اسے اللہ کے نام یاد کرائیں اسے قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتیں وغیرہ یاد کرانے کی کوشش کریں۔

ہمارا معاشرہ اس سلسلے میں بہت پیچھے ہے، بچے جب بولنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو ماں باپ اسے کہیں گے بولو بیٹا، بولو بیٹا اسی جہاں تک بات ہے ان الفاظ کی تو یہ بھی ضروری ہیں، پر یہ الفاظ بچے خود بخود بولیں گے، آپ کو کہلوانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، آپ کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ بچے سے اچھے اچھے جملے کہلوائیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بچے اگر کسی کون کرگالی دینے لگتے ہیں تو ماں باپ بہت خوش ہوتے ہیں، ہونا تو یہ چاہئے کہ اسے ڈانٹیں اسے منع کریں بچہ کوئی غلطی کرتا ہے تو یہ کہہ کر کہ ابھی چھوٹا ہے اسے ہرگز نظر انداز نہ کریں بلکہ اسے بتائیں کہ جیسا ایسا نہیں کرنا چاہئے یا ایسا نہیں کہنا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، اگر ہم نے اس معاملے میں سستی سے کام لیا تو یہ چیز ہمارے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہوں میں مصیبت کا سبب بن جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بچوں کے تئیں حساس و ذمہ دار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللہ اسے پریشانیوں سے بچاتا ہے۔  
☆ بچوں کا دل و دماغ عقیدہ، توحید سے آراستہ کریں یعنی انہیں بتائیں کہ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگو، مدد طلب کرنا ہو تو اللہ سے طلب کرو، یہ والدین و مربیان کی ذمہ داری ہے۔  
☆ اسی طرح بچوں کا دل و دماغ نقدیر اور اس کے اچھی یا بری ہونے پر ایمان سے بھی مزین کریں کیوں کہ یہ ایمان کا ایک رکن ہے۔

☆ بچوں کی تربیت امید، آشا اور خیر پر مبنی ہوتا کہ بچے پر امید اور بہتر سے بہتر زندگی کا استقبال کرے، نیز وہ اپنی قوم کا نفع بخش انسان ثابت ہو کیوں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”اور جان لو! مدد صبر کے ساتھ، کشادگی، تکلیف کے ساتھ، اور آسانی بخشی کے ساتھ ہے۔“

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہر معاملے میں صبر کی تلقین کی ہے کیوں کہ صبر مدد کا سب سے بڑا اور بہترین ذریعہ ہے۔  
☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ غمی پریشانی اور بے چینی کے بعد خوشی، راحت اور سکون کا آنا قطعی ہے، خصوصاً جب ایسی حالت میں دعا کی جائے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا ہے کہ پریشانی کے بعد ضرور آسانی ہوگی۔

اسی طرح جہنم کی آگ سے بچانے میں دینی تعلیم کا سب سے اہم رول ہے لہذا اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے روشناس کرائیں، چونکہ حقوق و معاملات کی تفصیل دینی تعلیم ہی میں ہے، ماں باپ کا حق، بھائی کا حق، رشتہ داروں کا حق اور پڑوسی وغیرہ کا کیا حق ہے؟ ان سب کی تفصیل دینی تعلیم ہی سے ہمیں حاصل ہوگی اور یہ بھی کہ اگر ہم نے حقوق کی ادائیگی نہ کی تو ہمارا خدا کا جہنم ہوگا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے بچوں کو عصری تعلیم نہ دیں یہ بھی ایک ضرورت ہے لیکن اس سے پہلے کم از کم اپنے بچوں کو اس بات سے تو آگاہ کریں کہ ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے کیسے زندگی گزاریں، کم از کم انہیں پہلے اسلامی تعلیم سے تو روشناس کرائیں۔

جدید تعلیمی نظام اور بہتر مستقبل، اچھی نوکری وغیرہ کے معاملے کو لے کر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بچوں کو مدرسہ بھیجنے کے



# مرکب کبیرہ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کی وسطیت

اشفاق احمد سانجی (استاد المؤمن انگلش اسکول، ممبئی)

اللہ کہتے ہیں: ”وَذَهَبَ الْجَمَاهِيرُ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ مِنْ جَمِيعِ الطَّوَائِفِ إِلَى انْقِسَامِ الْمَعَاصِي إِلَى صِفَاتِهِ وَكِبَائِرِهِ، وَهُوَ مَرْغُوبٌ أَيْضًا عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا. وَقَدْ تَطَاهَرَ عَلَى ذَلِكَ دَلَالِيلُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاسْتِغْنَالِ سَلَفِ الْأُمَمَةِ وَخَلْفِهَا“

تمام مسالک و فرقوں کے جمہور علمائے سلف و خلف کا موقف ہے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں صغائر اور کبائر۔ اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اور کبائر و صغائر کے درمیان یہ تفریق کتاب و سنت کے نصوص اور سلف و خلف علماء کرام کے استعمال سے ثابت ہے۔ (المنہاج شرح صحیح مسلم بن حجاج - النووی: ۱۸۹/۱)

چنانچہ اہل علم نے کبیرہ کو صغیرہ سے الگ کرتے ہوئے اس کی تعریف یوں کی ہے:

امام سفیان ثوری کہتے ہیں: الْكِبَائِرُ مَا كَانَ فِيهِ الْمُظَالِمُ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْعِبَادِ۔ ہندوں کے آپسی مظالم کبیرہ گناہ ہیں۔ (تفسیر البغوی - طبع: ۲۰۳/۲)

قاضی ابوسعید ہروی کہتے ہیں: أَنَّ الْكَبِيرَةَ: كُلُّ فِعْلٍ نَصَّ الْكِتَابُ عَلَى تَحْرِيمِهِ، وَكُلُّ مَعْصِيَةٍ تَوْجِبُ فِي جَنْبِهَا حَذًّا مِنْ قَتْلِ أَوْ غَيْرِهِ، وَتُرْكُ كُلُّ فَرِيضَةٍ مَأْمُورٍ بِهَا عَلَى الْفُورِ، وَالْكَذْبُ فِي الشَّهَادَةِ، وَالرَّوَايَةِ، وَالْيَمِينِ۔ ہر وہ کام جس کو کتاب اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسی طرح ہر وہ معصیت جس پر حد جیسے قتل وغیرہ واجب ہو، اسی طرح کسی فوری مامور بہ فریضہ کو چھوڑ دینا اور گواہی، روایت اور قسم میں جھوٹ بولنا۔ (تفسیر القرآن العظیم - ابن کثیر: ۲۸۵/۲)

خاصہ کلام یہ ہے کہ یہ ساری تعریفات قریب قریب ہیں البتہ کبیرہ کی تعریف میں سب سے زیادہ صحیح قول ابن عباس رضی

ایمان کی لغوی و شرعی تعریف اس میں کہی اوزیادتی نیز اس کے جہات و اسباب ذکر کرنے کے بعد مرکب کبائر (بڑے گناہوں) کو انجام دینے والے کے سلسلے میں صحیح موقف واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس طور پر کہ گمراہ فرقوں میں بعض ایسے ہیں کہ ایک طرف ارتکاب کبائر کو ایمان کے لئے ذرا بھی مضر قرار نہیں دیتے تو دوسری طرف ایسے فرقے ہیں جو مرکب کبیرہ کو بالکل ایمان سے ہی خارج کر دیتے ہیں، اور ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو نہ ایمان سلامت رکھتا ہے اور نہ ہی کفر میں داخل کرتا ہے بلکہ ایمان کفر کے درمیان منزلہ بین المنزلیتین کا نظریہ اپنائے ہوئے ہے۔ اس لئے اس باب میں اہل سنت و جماعت کی وسطیت (درمیانہ روش) کو جاننا انتہائی اہم ہے۔

اہل سنت کے یہاں کبیرہ کی تعریف: اہل علم کے درمیان کبیرہ کی تعریف اور صغیرہ سے اس کے امتیاز کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: قَالَ: الْكِبَائِرُ كُلُّ ذَنْبٍ خْتَمَهُ اللَّهُ بِنَارٍ أَوْ غَضَبٍ أَوْ لَعْنَةٍ أَوْ عَذَابٍ۔

”ہر وہ گناہ جس پر اللہ نے جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کی مہر (اس گناہ کے موضوع کو اس چاروں میں کسی حکم پر ختم کیا ہے) لگائی ہے“۔ (تفسیر القرآن العظیم - ابن کثیر: ۲۸۳/۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول اور مروی ہے: ”أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ: كُلُّ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ كَبِيرَةٌ“ ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہ کبیرہ ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم - ابن کثیر: ۲۸۳/۲)

لیکن محققین اہل علم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قول کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔ سلف و خلف میں سے جمہور علماء کبیرہ اور صغیرہ کے درمیان تمیز و تفریق کرتے ہیں۔ امام نووی رحمہ

ہی اسے خالد خلد فی النار قرار دیتے جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں بلکہ وہ ایمان کے قسمی میں داخل ہوتا ہے۔

یہ اور اس کے علاوہ دیگر علماء اہل سنت جن کا یہاں ذکر طوالت کے پیش نظر نہیں کیا گیا، ان کے اقوال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ مسلم، فاسق ہے وہ اپنے معصیت کی وجہ سے کافر نہیں ہوگا اور اپنی معصیت کی وجہ سے ایمان کے منطق مرتبے پر نہیں فائز ہوگا۔

قاضی فضیل بن عیاض کہتے ہیں: سمعت سفیان الثوری یقول: من صلی الی هذه القبلة فهو عندنا مؤمن والناس عندنا مؤمنون بالإقرار والموارث والمناکحة والحدود والذبايح والنسلک ولهم ذنوب وخطایا الله حسبههم إن شاء عذبهم وإن شاء غفر لهم، ولا ندری ما هم عند الله عز وجل۔

”میں نے سفیان ثوری کو کہتے ہوئے سنا: جو اس قبلہ (کعبہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو وہ ہمارے نزدیک مؤمن ہے۔ لوگ ہمارے نزدیک اقرار، وراثت، نکاح، حدود، ذبیحے اور قربانی کو ماننے اور اس میں ہمارے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے مؤمن ہیں۔ ہاں اس بات سے انکار نہیں کہ ان کے یہاں گناہ بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس کا حساب کتاب اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے اگر وہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور چاہے گا تو بخش دے گا۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ رب العالمین کے یہاں ان کی کیا حیثیت ہے۔“ (السنة - عبد الله بن أحمد: ۲۶۶/۲)

گرچہ اہل سنت والجماعت کا مرتکب کبیرہ کے اخروی اور دینی حکم کے بارے میں اتفاق ہے لیکن دنیوی اعتبار سے مرتکب کبیرہ پر حکم کے سلسلے میں لفظی اختلاف ہے کہ اس کو کون سا نام دیا جائے گا؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مرتکب کبیرہ کو نام دینے کے اختلاف کے فرق کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وَأَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَلَى أَنَّهُ مُؤْمِنٌ نَاقِضُ الْإِيمَانِ وَلَوْلَا ذَلِكَ لَمَّا عَذِبَ كَمَا أَنَّهُ نَاقِضُ الْإِيمَانِ وَالتَّقْوَى بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ وَهَلْ يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ مُؤْمِنٍ؟ هَذَا فِيهِ الْقَوْلَانِ وَالصَّحِيحُ التَّفْصِيلُ۔ ”اہل سنت والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مؤمن ناقص الایمان ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ

اللہ عنہ کا پہلا قول ہے، اسی کو اکثر محققین اور متاخرین علماء نے اختیار کیا ہے۔

مرتکب کبیرہ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مسلم، فاسق ہے اپنی معصیت کی وجہ سے وہ دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی وہ مؤمن کامل الایمان ہے بلکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ مؤمن رہے گا اور کبیرہ کی وجہ سے فاسق ہوگا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”ولا نکفر أحدا من أهل القبلة بذنوب، ما لم يستحلّه، ولا نقول لا يضر مع الإيمان ذنب لمن عمله“ اور ہم اہل قبلہ (مسلمانوں) میں سے کسی کی تکفیر، کسی گناہ کی وجہ سے ہرگز نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ اسے حلال سمجھ لے اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ایمان کے ساتھ معصیت کرنے والے کے لئے معصیت معتز نہیں ہے۔ (شرح الطحاویة - ابن أبي العز (ت: ۴۰۳/۱)

شارح طحاوی ابن ابی العز لکھتے ہیں: أن أهل السنة متفقون كلهم على أن مرتكب الكبيرة لا يكف كفرا ينقل عن الملة بالكليّة، كما قالت الحوارج ”تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ ایسا کافر ہرگز نہیں ہوتا کہ ملت اسلامیہ سے بالکلیہ خارج ہو جائے جیسا کہ خوارج کہتے ہیں۔“ (شرح الطحاویة - ابن أبي العز (ت: ۴۰۶/۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَهُمْ مَعَ ذَلِكَ لَا يُكْفَرُونَ أَهْلَ الْقِبْلَةِ بِمُطْلَقِ الْمَعَاصِي وَالْكِبَايِرِ كَمَا يَفْعَلُهُ الْخَوَارِجُ، بَلِ الْأُخُوَّةُ الْإِيمَانِيَّةُ ثَابِتَةٌ مَعَ الْمَعَاصِي ۰۰۰۰ وَلَا يَسْلُبُونَ الْفَاسِقَ الْجَلِيَّ اسْمَ الْإِيمَانِ بِالْكَلْبَةِ وَلَا يَخْلِدُونَهُ فِي النَّارِ كَمَا تَقُولُهُ الْمُعْتَزِلَةُ بَلِ الْفَاسِقُ يَدْخُلُ فِي اسْمِ الْإِيمَانِ (مجموع الفتاوى - ابن تیمیة: ۱۵۱/۳)

”اہل سنت والجماعت مطلقاً معصیت اور کبائر کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے جیسا کہ خوارج کرتے ہیں، بلکہ ایمانی اخوت معصیت کے ساتھ بھی قائم رہتی ہے ۰۰۰۰ اور ملت اسلامیہ کے فاسق سے کلی طور پر ایمان نہیں ختم کرتے ہیں اور نہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَيَقُولُونَ: هُوَ مُؤْمِنٌ نَاقِضُ الْإِيمَانِ أَوْ مُؤْمِنٌ يَأْمُرُ بِمَا يَنْهَى عَنْهُ بِكِبَرِهِ، فَلَا يَغْفِيهِ الْإِسْمُ الْمَطْلُوقُ وَلَا يَسْلُبُ مُطْلَقُ الْإِسْمِ۔

”اہل سنت والجماعت مرتکب کبیرہ کو مؤمن ناقص الایمان کہتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ مؤمن اور اپنے کبیرہ گناہوں کے ساتھ فاسق ہے چنانچہ اسے نہ مطلق مؤمن کا نام دیا جائے گا اور نہ ہی اس سے مطلق مؤمن کا نام چھینا جائے گا۔“ (مجموع الفتاویٰ - ابن تیمیہ: ۱۵۲/۳)

تیسرے قول کے قائلین جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب کبیرہ کو مؤمن کا نام دیا جائے گا ان کی دلیل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا﴾ (الحجرات: ۹) ”اگر مؤمنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرو“

یہ اور اس معنی کی دوسری آیتیں ہیں جن سے ان کا یہ استدلال ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صاحب کبیرہ سے ایمان کی نفی نہیں کی ہے لہذا ہم بھی اس سے ایمان کی نفی نہیں کریں گے۔

درحقیقت اہل سنت والجماعت کے علماء کا یہ اختلاف بہت گہرا اختلاف نہیں بلکہ یہ صرف لفظی اختلاف کے جنس سے ہے کیونکہ ان تینوں اقوال کے قائلین اس نقطہ پر آ کر ایک ساتھ مل جاتے ہیں کہ صاحب کبیرہ مسلم ہے، اصل ایمان اس کے ساتھ قطعی طور پر پایا جاتا ہے اور اس کو نقص ایمان سے متصف کیا جائے گا۔ اور مذکورہ تینوں اقوال کے قائلین نے صاحب کبیرہ کے اندر جس معنی کو غالب پایا، جس کے ساتھ اسے قائم سمجھا ہے اس سے موسوم کرو یا یہ اور یہ خیال کیا ہے کہ یہ نام اس کے لئے دلالت کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حواجز و مغزله اور مرجعہ کے اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: وَالصَّحِيحُ التَّفْصِيلُ، فَإِذَا سَبَّلَ عَنْ أَحْكَامِ الدُّنْيَا كَمَنْعِهِ فِي الْكُفْرَةِ، قِيلَ: هُوَ مُؤْمِنٌ وَكَذَلِكَ إِذَا سَبَّلَ عَنْ ذُخُولِهِ فِي خَطَابِ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَمَّا إِذَا سَبَّلَ عَنْ حُكْمِهِ فِي الْأَجْزَةِ، قِيلَ: لَيْسَ هَذَا التَّوَعُّدُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْمُؤْغَوِ دِينَ بِالْجَنَّةِ بَلْ مَعَهُ إِيْمَانٌ يَمْنَعُهُ الْخُلُودُ فِي النَّارِ وَيَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ بَعْدَ أَنْ يَعَذَّبَ فِي النَّارِ إِنَّ لَمْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُ ذُنُوبَهُ۔

عذاب کا مستحق قرار نہ پاتا، اسی طرح مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بھلائی اور تقویٰ میں اس کے یہاں کمی پائی جاتی ہے البتہ کیا اس پر مؤمن کا لفظ بولا جائے گا یا نہیں تو اس سلسلے میں دو اقوال ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ - ابن تیمیہ: ۲۵۴/۴)

ابن رجب احسبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الشُّنَّةِ: هَلْ يُسَمَّى مُؤْمِنًا نَاقِضُ الْإِيمَانِ، أَوْ يُقَالُ: لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ، لَكِنَّهُ مُسْلِمٌ، عَلَى قَوْلَيْنِ، وَهَذَا رَوَيْنَاهُ عَنْ أَحْمَدَ۔

”اہل سنت والجماعت کے اس سلسلے میں کہ کیا مرتکب کبیرہ کو مؤمن ناقص الایمان کہا جائے گا یا یہ کہ اسے مؤمن نہیں بلکہ مسلم کہا جائے گا دو مختلف قول ہیں اور دونوں اقوال امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہیں۔“ (جامع العلوم والحکم - ابن رجب: ۲۷۴/۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کو نام دینے کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے کل تین اقوال ہوتے ہیں:

پہلا قول: مرتکب کبیرہ کو مسلمان کا نام دیا جائے گا۔

دوسرا قول: مرتکب کبیرہ کو مؤمن ناقص الایمان کہا جائے گا۔

تیسرا قول: مرتکب کبیرہ کو مؤمن کہا جائے گا۔

ان تینوں اقوال کے قائلین کی اپنی اپنی توجیہات ہیں جو اس طرح ہیں:

پہلے قول کے قائلین کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب کبیرہ سے ایمان کی نفی کی ہے چنانچہ ہم بھی اس سے ایمان کی نفی کریں گے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس قول کے مخالفین و موافقین میں سے سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ کو متقی اور پرہیزگار نہیں کہا جائے گا لہذا اسی طرح اسے مؤمن بھی نہیں کہا جائے گا۔ (تعظیم قدر الصلاة: ج ۲: ص ۱۱۹)

دوسرے قول کے قائلین نے اصحاب کبار کے احوال پر غور کیا تو ان کے اندر ایمان اور معصیت کو اکٹھا پایا چنانچہ یہ کہنے لگے کہ ہم اس کو مطلق مؤمن کا نام نہیں دیں گے اور نہ ہی اس سے اصل ایمان کا انکار کریں گے بلکہ ہم اسے مؤمن ناقص الایمان کا نام دیں گے۔



بنیاد پر کہ وہ اعمال کو ایمان سے خارج گردانتے ہیں اور اسے ایمان کی تعریف میں شامل نہیں کرتے ہیں۔ لہذا علماء کرام نے عصاة مسلمانوں کے بارے میں مرجعہ کے عقیدہ کو نقل کیا ہے چنانچہ:

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اختلف الناس في تسمية المذهب من أهل ملتنا فقلت المرجنة هو مؤمن كامل الإيمان وإن لم يعمل خيراً قط ولا كف عن شر قط۔

”ہمارے اہل ملت کے درمیان گنہگار کو نام دینے کے سلسلے میں اختلاف ہے، چنانچہ مرجعہ کہتے ہیں: گنہگار مؤمن کامل الایمان ہے، اگرچہ وہ کبھی کوئی خیر کا کام نہ کرے اور نہ ہی اپنے آپ کو شر سے روکے۔“ (الفضل فی الملل والأہواء والنحل - ابن حزم: ۳۷۴/۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ گنہگاروں کے سلسلے میں لوگوں کے مذاہب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فَقَالَتْ الْمَرْجَنَةُ: جَهَنِمِيَّتُهُمْ وَغَيْرُ جَهَنِمِيَّتِهِمْ: هُوَ مُؤْمِنٌ كَامِلٌ الْإِيمَانِ۔

”مرجعہ، ان میں سے جمیعہ اور غیر جمیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ مؤمن کامل الایمان ہے۔“ (مجموع الفتاوی - ابن تیمیہ: ۳۵۳/۷)

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: فَقَالَتْ الْجَهَنِمِيَّةُ وَالْمَرْجَنَةُ: قَدْ عَلِمْنَا أَنَّ لَيْسَ يَخْلُذُ فِي النَّارِ وَآلَهُ لَيْسَ كَافِرًا غَرَضًا، بَلْ هُوَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَإِذَا كَانَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَجِبَ أَنْ يَكُونَ مُؤْمِنًا تَامًا الْإِيمَانِ۔

جمیعہ اور مرجعہ کہتے ہیں ہمیں یہ معلوم ہے کہ گنہگار نہ خالد مخلد فی النار ہے اور نہ کافر و مرتد بلکہ وہ مسلمانوں میں سے ہے، اور جب وہ مسلمانوں میں سے ہے تو ضروری ہے کہ وہ مؤمن تام الایمان ہو۔“ (مجموع الفتاوی - ابن تیمیہ: ۵۰۱/۱۳)

چنانچہ اسی قول کی بنیاد پر مرجعہ عام مسلمانوں کو قطعی مؤمن قرار دیتے ہیں اور اسی کے مطابق سارے احکامات کو نافذ کرتے ہیں۔

امام ابو الحسن اشعری کہتے ہیں: وأجمعت المرجنة بأسرها أن الدار دار إيمان وحكم أهلها الإيمان إلا من ظهر منه خلاف الإيمان۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے جب مرتکب کبیرہ کے دنیاوی احکام کے بارے میں سوال کیا جائے جیسے کہ کفارہ میں اس کو آزاد کرنا درست ہوگا یا نہیں یا اسی طرح وہ مؤمنین کے خطاب میں داخل ہوگا یا نہیں تو کہا جائے گا وہ مؤمن ہے۔ اور جب اس کے اخروی احکام کے بارے میں پوچھا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ وہ ان مؤمنین میں سے نہیں جن کے لئے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ایمان کی اتنی مقدار ہے جو اس کو جہنم میں ہمیشہ رہنے سے روکے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرتے ہیں تو جہنم میں عذاب دے جانے کے بعد جنت میں داخل کیا جائے۔ (مجموع الفتاوی - ابن تیمیہ: ۳۵۳/۷)

چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ احکام دنیا کے اعتبار سے مرتکب کبیرہ کو مؤمن کا نام دیا جائے گا اور اخروی اعتبار سے وہ اللہ رب العزت کی مشیت کے تحت ہوں گے اگر وہ چاہے تو اپنی رحمت سے انھیں جنت میں داخل کر دے یا انھیں انکے گناہوں کے سبب جہنم میں ڈالے پھر سزا کاٹنے کے بعد وہ جنت میں جائیں، بہر حال وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

مرجعہ کے یہاں کبیرہ کی تعریف: امام ابو الحسن اشعری مرجعہ سے کبیرہ و صغیرہ کے درمیان اختلاف کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں ان کے دو فرقے ہیں: واختلفت المرجنة في الصغائر والكبائر على مقالتي: فقالت الفرقة الأولى: كل معصية فهي كبيرة، وقالت الفرقة الثانية: المعاصي منها كبائر ومنها صغائر۔ (مقالات الإسلاميين - الأشعري: ۳۸۶)

پہلا فرقہ: ہر معصیت کبیرہ ہے۔

دوسرا فرقہ: معصیتوں میں کچھ معصیت کبیرہ اور کچھ صغیرہ ہیں۔

پہلے فرقے کی تعریف کی روشنی میں معصیت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، کوئی معصیت کسی سے کبیرہ نہیں اور دوسرے فرقے کی تعریف کی روشنی میں معاصی کے درمیان فرق ہے، اس طور پر کہ کچھ گناہ کبیرہ ہیں اور کچھ گناہ صغیرہ ہیں۔

مرتکب کبیرہ کے بارے میں مرجعہ کا عقیدہ: مرجعہ مرتکب کبیرہ کو مؤمن کامل الایمان قرار دیتے ہیں اپنے اس دلیل کی





# بنو امیہ پر الزامات کا جائزہ

تحریر: علامہ محمود شاہ کریم رحمہ اللہ۔

ترجمانی: محمد جعفر انوار الحق الہندی

کمائی کا ایک حصہ روزانہ اس کو ادا کرتی تھی، شہری آبادی سے دور جہاں فاشیات اور بدکار عورتیں رہتی تھیں وہیں یہ بھی رہتی تھی، وہ ایک محلہ تھا جس کا نام ”زانیوں کا محلہ“ تھا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیاد کو اپنے باپ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ جیسا کہ ابو عبیدہ معمر بن اُمیّہ نے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں فارس کا گورنر بنایا اور اسماعیل بن حنیف کو وہاں سے نکال دیا تو زیاد نے اہل فارس کو آپس میں لڑایا اور ایک کے ذریعہ دوسرے کو زیر کیا حتیٰ کہ وہ فارس پر غالب آ گئے، وہ اس کے مختلف آباد علاقوں میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ فارس کے حالات ٹھیک ہو گئے، پھر انہیں اصطرخ کا گورنر بنایا، اس درمیان معاویہ ان کو برابر دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔

حتیٰ کہ بسر بن ارقطہ نے عبید اللہ اور سالم زیاد کے دونوں بیٹوں کو گرفتار کر لیا اور اس کو حلیفہ خط لکھا کہ اگر تم واپس نہ آئے اور معاویہ کی طاعت میں داخل نہ ہوئے تو ان دونوں کو قتل کر دوں گا۔

ادھر معاویہ نے بسر کو لکھا کہ زیاد کے بیٹوں سے کوئی تعرض نہ کرو اور زیاد کو انہوں نے خط لکھا کہ میری طاعت میں داخل ہو جاؤ، میں تمہیں تمہارے عہدہ پر برقرار رکھوں گا، زیاد معاویہ کے پاس آیا اور ان سے کچھ مال اور زیورات پر مصالحت کر لی اور معاویہ نے انہیں اپنا جانشین بنانے کی پیشکش کی لیکن زیاد نے انکار کر دیا، زیاد کے معاویہ کے پاس آنے سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے اس سے کہا تھا: دور والا نشانہ لگاؤ، فضول چیزوں کو چھوڑ دو، حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی بھی اس امر یعنی خلافت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھا سکتا اور انہوں نے بھی معاویہ سے بیعت کر لی ہے، تم ان کے قدرت پانے سے پہلے

معاویہ رضی اللہ عنہ کو متمم کیا گیا کہ انہوں نے زیاد بن ابیہ کو اپنے باپ ابوسفیان کی طرف منسوب کر دیا یعنی اپنے باپ کے بارے میں زنا کی شہادت دی، حالانکہ اس وقت تک ان کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی، اور یہ صرف اس لئے تھا کہ انہیں اپنی جانب مائل کر سکیں اگرچہ کہ اس سے ان کا دین چلا جائے، مسعودی نے کہا: سنہ ۴۴ ہجری میں جب معاویہ نے زیاد بن ابیہ کو اپنے باپ ابوسفیان سے الحاق کا ارادہ کیا تو زیاد بن اسامہ الحرامزی، مالک بن ربیعہ السلولی اور منذر بن الزبیر بن العوام نے ان کے پاس شہادت دی کہ ابوسفیان نے ان کو بتایا ہے کہ زیاد ان کا بیٹا ہے، اور جب زیاد کا تذکرہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ہوا تب ابوسفیان نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا:

اللہ کی قسم! اگر ایک شخص کا خوف نہ ہوتا

اے علی! جو مجھے اپنا دشمن سمجھتا ہے

تو صخر بن حرب اس کے معاملے کو واضح کر دیتا

اور زیاد کے معاملے کو پوشیدہ نہ رکھتا

لیکن مجھے ہی پھٹیلی کی گردش کا خوف ہے

جو مجھ سے انتقام لے سکتی ہے اور مجھے شہر بدر کر سکتی ہے

ثقیف کے ساتھ میری کوشش طویل ہے

اور میں نے ان میں اپنے دل کے ٹکڑے کو چھوڑ دیا

اس کے بعد ابومریم السلولی کی شہادت نے ان کے یقین میں

اضافہ کر دیا، کیوں کہ وہ اس معاملے کی ابتدا کو سب سے زیادہ

جاننے والے تھے، اس لئے کہ انہوں نے ہی جاہلیت

میں ابوسفیان اور سمیہ ام زیاد کو زنا کے لئے اکٹھا کیا تھا، سمیہ

طائف میں جھنڈے والیوں میں سے تھی، (فاحشہ عورتیں اپنے

گھروں پر جھنڈے نصب کرتی تھیں تاکہ لوگ فاشی کے لئے

ان کا قصد کریں) اور حادث بن کلدہ کو نکس دیتی تھی یعنی اپنی

اور پھر صاحب فراش کے لئے ہے، جو کہ اللہ کی کتاب کی مخالفت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منھ موڑنا ہے اور وہ بھی اس ناطقے کا ابومریم نے ابوسفیان کے زنا کی شہادت دی ہے؟ معاویہ نے کہا: واللہ اے یونس! باز آ جاؤ، ورنہ تمہیں اس طرح اڑاؤں گا کہ بہت آہستہ آہستہ نیچے آؤ گے۔“ (ہروج الذهب: ۱۶۳-۱۶۴)

اس روایت کا ضعف بالکل واضح ہے، زیادہ اپنے سامنے یہ گفتگو کیسے گوارا کی؟ معاویہ نے اسے کیسے قبول کیا؟ اور مسلمان، امام اور خلیفہ کی اس کھلی مخالفت سے راضی کیسے ہوئے؟ کیا احساس مٹ گیا تھا؟ کیا دین ختم ہو گیا تھا حالانکہ صحابہ انہی باحیات تھے؟!

معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کیا گیا کہ وہ کبار صحابہ ابوبکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرتے تھے، ان کی طرف ایک خط منسوب کیا گیا ہے، جسے انہوں نے مصر پر علی رضی اللہ عنہ کے گورنر محمد بن ابی بکر کو بھیجا تھا کہتے ہیں: جب تمہارے والد ہمارے درمیان موجود تھے، ہم ان کی فضیلت کو جانتے تھے اور ان کا جوق ہم پر لازم ہے اس کو پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس کی نعمتوں کے لئے چن لیا، اور اپنا وعدہ پورا کر دیا، آپ کی دعوت کو غالب کر دیا، اور حجت کو واضح کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا، صلوات اللہ علیہ، تب تمہارے باپ اور فاروق نے سب سے پہلے ان کا حق مار لیا، اور ان کے معاملے میں ان کی مخالفت کی، ان دونوں نے اس کی پلاننگ کر کے اس پر اتفاق کر لیا تھا، ان دونوں نے انہیں اپنے گھر بلایا، انہوں نے آنے میں تاخیر کی اور ٹال مٹول سے کام لیا، اس پر ان دونوں نے ان کے بارے میں بدترین بات سوچی اور بڑی بات کا ارادہ کیا، پھر انہوں نے دونوں سے بیعت کر کے معاملہ ان کے حوالے کر دیا، وہ دونوں اسے اس طرح نبھاتے رہے کہ انہیں کسی معاملے میں شریک نہ کرتے اور اپنے کسی راز سے انہیں آگاہ نہ کرتے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر تیسرے آدمی عثمان کھڑے ہوئے انہوں نے انہیں دونوں کا طریقہ اپنا یا اور انہیں کے راستے پر چلے، تب تم نے اور تمہارے ساتھی نے ان پر عیب لگا یا جس سے دور رہنے والے اہل معصیت کو ان کے بارے میں لالچ پیدا ہوا، تم دونوں نے ان کے لئے مصائب طلب کئے، اور ان

اپنے نفس کے لئے بچاؤ کر لو، زیادہ نے کہا: پھر آپ مجھے مشورہ دیں، مغیرہ نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ تم اپنی اصل کو ان کی اصل کی طرف منتقل کر لو، اور اپنی رسی کو ان کی رسی سے جوڑو، اور اپنی زبان کو بند رکھو کہ لوگوں کو گنگے کہ تمہارے کان بہرے ہیں، زیادہ نے کہا: اے مغیرہ بن شعبہ! کیا میں ایسی جگہ پودا لگاؤں جہاں پنپ نہ سکے، نہ مٹی ہے جو اسے زندہ رکھے اور نہ جڑیں ہیں جو اسے سیراب کریں، پھر اس کے بعد زیادہ نے مغیرہ کی بات مان لی اور اس دعویٰ کو قبول کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر جویریہ بنت ابوسفیان نے اپنے بھائی معاویہ کا حکم اسے بھیجا تو وہ آیا، جویریہ نے اسے اجازت دیدی اور اس کے سامنے اپنے بالوں کو کھول دیا اور کہا: تم میرے بھائی ہو مجھے ابومریم نے یہ بات بتائی ہے۔

اس کے بعد معاویہ زیادہ کو لے کر مسجد گئے اور لوگوں کو جمع کیا، ابومریم السلولی کھڑے ہوئے اور کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ ابوسفیان طائف میں ہمارے پاس آئے اور میں جاہلیت میں بلاؤش تھا، انہوں نے کہا: میرے لئے کوئی فاحش تلاش کرو، میں ان کے پاس آیا اور کہا: حارث بن کلدہ کی لونڈی سبیہ کے علاوہ مجھے دوسری نہ ملی، ابوسفیان نے کہا: اسی کو لے آؤ، حالانکہ بدبو اور گندگی اس کے ساتھ ہے، اس پر زیادہ بول پڑا اور کہا: اے ابومریم! ٹھہر جاؤ، تم شاہد بن کر کھڑے ہوئے ہو، سب و شتم کے لئے نہیں، ابومریم نے کہا: اگر تم مجھے معاف کر دیتے تو بہتر ہوتا، میں نے تو اسی بات کی شہادت دی جس کا میں نے مشاہدہ کیا ہے، واللہ! اس کی ٹیپس کی آستین اس نے پکڑ لی، میں نے دروازہ بند کر دیا اور دہشت زدہ ہو کر بیٹھ گیا، پھر وہ تھوڑی دیر بعد پیشانی پونچھتے ہوئے نکلا، میں نے کہا: ابوسفیان! کیا حال ہے؟ کہا: ابومریم! میں نے اس کی مانند کسی کو نہ پایا، اگر اس کی چھاتی لنگی ہوئی اور منہ میں بوند ہوئی پھر زیادہ کھڑا ہوا اور کہا: اے لوگو! اس شاہد کا بیان تم نے سنا، میں نہیں جانتا کہ اس میں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، عبید تو گود میں پلا ہوا وفادار یا لائق شکروں تھا، شاہد اپنی بات کو زیادہ جانتا ہے، اس پر یونس بن عبید، صفیہ بنت عبید بن اسد بن عداج ثقفی کا بھائی - صفیہ سبیہ کی ماں تھیں - کھڑا ہوا اور کہا: اے معاویہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا فراش والے کا ہوگا اور زانی کے لئے پتھر ہے اور آپ نے فیصلہ کیا ہے کہ لڑکا زانی کا ہے



کرتے تھے اور ان پر رحمت بھیجتے اور ان کے لئے رضی اللہ عنہ کہتے تھے، اے بعد کے غلو پرستوں نے اضافہ کیا، تحریف کی اور تہمت سازی سے کام لیا، حتیٰ کہ شیعہ و انصار علی اور باقی مسلمانوں کے درمیان دوریاں بن گئیں، اور دونوں کے درمیان ناقابلِ عبور کھائی کھد گئی، حالانکہ سابق میں یہ بات نہ تھی بلکہ وہ ساتھ میں نماز پڑھتے اور ساتھ میں جہاد کرتے تھے، اور فتوحات کے لئے ساتھ میں ہی نکلتے تھے، مگر اب تو وہ دو فریق بن گئے، شیعہ مسلمانوں کے امام کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھتے اور ان کے علمی مراجع و مصادر کا اعتراف نہیں کرتے، اور صرف انہیں راویوں کو قبول کرتے ہیں جو ان کے نزدیک لائق قبول ہوں اگرچہ کہ وہ میمون القدر اور ان کے ہم مثل لوگ ہوں۔

۱۔ ابو مسلم خولانی چند لوگوں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: آپ علی رضی اللہ عنہ سے نزاع کر رہے ہیں کیا آپ ان کی طرح اور ان کے مثل ہیں، فرمایا: اللہ کی قسم انہیں، میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے افضل ہیں اور اس امر (خلافت) کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں، لیکن کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم قتل کئے گئے ہیں، میں ان کا چچا زاد ہوں، اور ان کے خون (قصاص) کا مطالبہ کر رہا ہوں، ان سے جا کر کہو کہ وہ قاتلین عثمان کو میرے حوالہ کر دیں اور میں انہیں تسلیم کر لوں گا، وہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان سے اس سلسلے میں گفتگو کی مگر انہوں نے انہیں ان کے حوالہ نہ کیا“ (سیر اعلام النبلاء: ۱۳۰/۳، بسند صحیح، دیکھیں: مجلہ اہل السنۃ نومبر ۲۰۱۵ء فائنل صفحہ) (مترجم)

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ حملہ کیا جاتا ہے کہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا، صرف اسی لئے نہیں، کیوں کہ اس ہستی نے بھی جانشین بنایا تھا جو ان سے افضل تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا، بلکہ یہ اعتراض اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی محبت اور ان کو دوسروں سے افضل قرار دیتے ہوئے اسے اپنا جانشین بنایا تھا، حالانکہ مسلمانوں میں اس سے بہتر لوگ موجود تھے اور انہوں نے اپنے اس عمل کے ذریعہ نظامِ حکومت کو شوری کے بجائے کاث کھانے والی بادشاہت میں تبدیل کر دیا۔

۳۔ اپنی عداوت ظاہر کر دی، حتیٰ کہ تم دونوں اپنی آرزو اور اپنی مراد کو پہنچ گئے، اے ابن ابی بکر! تم اپنا بچاؤ کر لو، اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرو، تم اس شخص کی برابری نہیں کر سکتے جس کا حکم اور برد باری پہاڑوں کے برابر ہے، اور جس کا نیزہ سختی سے نرم نہیں ہوتا، اور گفتگو کرنے والا جس کے صبر کو نہیں پہنچ سکتا، تمہارے باپ نے یہ راستہ ہموار کیا ہے اور اپنی حکومت کی بنیاد رکھی ہے اگر جو ہم کر رہے ہیں درست ہے تو تمہارے باپ نے یہ استدہا کیا ہے اور ہم ان کے شرکاء ہیں، اگر تمہارے باپ نے سابق میں ایسا نہ کیا ہوتا تو ہم علی رضی اللہ عنہ کی خلاف ورزی نہ کرتے اور حکومت ان کے حوالہ کر دیتے، لیکن ہم نے دیکھا کہ تمہارے باپ نے پہلے ہی ایسا کر رکھا ہے، لہذا ہم نے نہ بھی اسی پر عمل کیا ہے، تم چنتا چاہو اپنے باپ کو عیب لگاؤ یا چھوڑ دو، سلامتی ہو اس شخص پر جو چلے۔ (مروج الذهب: ۲۲-۲۱)

۴۔ اس کا ضعف بالکل واضح ہے اور یہ بھی کہ یہ بعد میں دشمنوں کی وضع کی ہوئی روایت ہے کیوں کہ ابتدا میں علی رضی اللہ عنہ کی ایسی شنا ہے جو کہ غالی امامیہ کا طریقہ ہے اور دیگر خلفاء راشدین پر بھی طعن و تشنیع ہے اور پھر معاویہ کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

۵۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ کو جب علی رضی اللہ عنہ نے مصر کی گورنری سے معزول کر دیا تو معاویہ نے ان کو خط لکھا: ”اما بعد! تم یہودی ہو۔۔۔۔۔“ (مروج الذهب: ۲۵/۳)۔ معاذ اللہ۔

۶۔ معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی گئی ہے کہ وہ منبروں سے علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجتے تھے، اور لوگوں کو لعنت بھیجنے کا حکم دیتے تھے، اور اسی طرح ان کے گورنری کرتے تھے، اس تہمت کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام مسلمان اس تہمت میں شریک ہیں جو اس سے راضی تھے اور اس کی تردید نہ کرتے تھے۔

۷۔ ہر مسلمان علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے اور ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی مسلمان ایسی حرکت سے راضی ہو، یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اس سے بڑا کوئی جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا، علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان نقطہ نظر کے اختلاف کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا احترام و تکریم کرتے تھے اور ان کی قدر و منزلت کا اعتراف کرتے تھے اور ان کی مدح و ستائش



نشانہ بنایا گیا۔ اگرچہ کہ عام طور سے پورے ہنومایہ پر بہتان و کذب گھڑا گیا مگر خلفاء میں سب سے زیادہ معاویہ اور یزید کو تہمتوں اور الزامات کے ٹکھڑے میں کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی۔۔

[۲]

یزید پر تہمت لگائی گئی کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا حقیقی سبب وہی تھے، حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہے کیوں کہ یزید اور معرکہ کی جگہ کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہے پھر وہ کیسے اس صدارت کرتے اور لوگوں کو منع کرتے اور کیسے لوگوں کو کاٹنے یا جوڑتے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی صداقت ہے کہ وہ ایسے خلیفہ تھے جنہیں اتنی زیادہ قوت حاصل نہ تھی اور صورت حال ابھی تک ان کے لئے اتنی سازگار بھی نہ تھی اور عراق میں تو عبید اللہ بن زیاد ہی کی شخصیت ظاہر و غالب تھی۔

یزید کو تہمت لگایا گیا کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے خوش ہوا، حالانکہ معاملہ ایسا نہ تھا، بلکہ وہ رو پڑے، شمر اور ابن زیاد کو لعن طعن کیا اور کہا: اگر ابن زیاد کے بدلے میں وہاں ہوتا تو انہیں معاف کر دیتا، کہ بلا سے دمشق آنے والی عورتوں کو اپنی عورتوں کے پاس بھیجا اور تین روز تک گریہ و زاری اور چیخ و پکار مستمر رہی، وہ علی بن الحسین کو ساتھ لئے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا، پھر اس کے بعد قافلہ کو حافطوں کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔

اسی طرح انہیں اس لشکر پر بھی پورا کنٹرول اور مکمل غلبہ حاصل نہ تھا جس نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور تین روز تک اسے مباح کئے رکھا، کیوں کہ اہل مدینہ نے نافرمانی، سرکشی، بیعت توڑنے اور مدینہ سے ہنومایہ کو شہر بدر کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔

یزید پر تہمت لگائی گئی کہ وہ شراب کا عادی تھا، اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی لگایا گیا کہ اپنے ماتحت سارے علاقوں میں اس نے شراب نوشی کو عام کر دیا تھا اور بڑی عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اس جیسی رائے کو قبول کر لیا جائے!!

اسلامی حکومت میں کبھی بھی اور کسی بھی زمانے میں اعلانِ طور پر فساد بگڑا اور شراب نوشی عام نہ تھی، پھر یہ بات کیسے ہو سکتی ہے جب کہ صحابہ کرام کی اولاد میں موجود تھیں بلکہ بعض صحابہ بھی ابھی بقیہ حیات تھے؟! مسعودی نے کہا: ”یزید موعج مستی کرنے والا، شکاری جانوروں کو پالنے والا، کتے بندر اور چیتے وغیرہ جانوروں سے کھیل تھا شے کرنے والا، اور راتوں کو جام

معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ بھی حملہ کیا گیا ہے کہ جب شام کی امارت انہیں سونپی گئی تو بادشاہت کی عظمت اور اس کے جاہ جلال کے تلہار میں انہوں نے قیصر و کسریٰ کی تقلید کی۔

شاید وہاں کے حالات اس بات کے متقاضی تھے کیوں کہ وہاں کے شہریوں کی عادت اور سلطان کی ہیبت کے سلسلے میں ان کا نظریہ یہی تھا، بطری نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے، انہوں نے کہا: ”عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکلے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ شاہی قافلہ اور شاہانہ کروفہ کے ساتھ ان کا استقبال کر رہے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے معاویہ! تم شاہانہ قافلے میں آتے اور جاتے ہو، مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اپنے گھر میں رہتے ہو اور حاجت مند لوگ تمہارے دروازے پر رہتے ہیں، انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! دشمن یہاں سے قریب ہے، اور ان کے جاسوس یہاں بکھرے رہتے ہیں، اس لئے میں نے چاہا کہ وہ اسلام کی عزت و سر بلندی کا مشاہدہ کریں“ اس پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: یہ عقل مند آدمی کی چال ہے، یا دانا آدمی کا دھوکہ، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جو آپ کی مرضی ہو مجھے حکم کریں، میں اسے تسلیم کروں گا، فرمایا: تم پر انفس ہے! جب بھی میں نے کسی ایسے معاملے میں تم سے گفتگو کی جسے میں تمہارے لئے عیب سمجھتا تھا تو تو نے مجھے ایسی پوزیشن میں لا کھڑا کیا کہ میں یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ تمہیں حکم دوں یا منع کروں۔“ (تاریخ الطبری: ۳۴۱/۵)

عمر رضی اللہ عنہ زہد و ورع کے پیکر اور تکلف سے بہت دور رہنے والے تھے اور اپنے گورنروں کے معاملے میں بہت سخت تھے اگر وہ ان میں کوئی بات پاتے تو ان کا ہاتھ پکڑ لیتے اور ایک دن بھی انہیں ان کی گورنری پر باقی نہ رہنے دیتے۔

اور ربی بات مسجد میں امام کے خصوصی کمرہ اور مہربنانے کی، تو حالات اس کے متقاضی تھے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یزید بن معاویہ کو بھی متہم کیا گیا، بلکہ یہ ہے کہ انہیں اور ان کے باپ کو سب سے زیادہ تہمتوں کے زمرے میں رکھا گیا، اور ان کی طرف منسوب کر کے افواہوں کو شہر کیا گیا اور بہت زیادہ جھوٹ بولا گیا اور بہتان لگایا گیا، ان کے باپ کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع و اختلاف کے سبب، اور ان کو ان کے زمانہ خلافت میں حادثہ کر بلا رونما ہونے کی وجہ سے تہمتوں کا

فرمایا: اس کے بعد نبی ﷺ کو کبھی مکمل طور سے ہشتے ہوئے نہیں دیکھا گیا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی، اسے ابو یعلیٰ، حاکم اور تہذیبی نے روایت کیا ہے، اور سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ: نبی ﷺ نے بنو امیہ کو اپنے منبر پر دیکھا، آپ کو یہ بات ناگوار لگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی بھیجی کہ انہیں صرف دنیا دی گئی ہے اس سے آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہوگئی، اسے تہذیبی نے روایت کیا ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ کے ایک ایک آدمی کو اپنے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تو یہ بات آپ کو ناگوار لگی، تب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا أَزْوَاجُ الْمَلَائِكَةِ الْقَدْرِ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ (القدر: ۱-۳) ایک ہزار ماہ یہی بنو امیہ کی مدت حکومت ہے، قاسم بن یسیر بن فضل کہتے ہیں: ہم نے بنو امیہ کی مدت حکومت کا حساب لگایا تو وہ ٹھیک ایک ہزار ماہ ہے نہ کم نہ زیادہ، اسے ترمذی، حاکم اور تہذیبی نے روایت کیا ہے۔

زہری اور عطاء خراسانی نے کہا: کہ نبی ﷺ نے حکم سے کہا: ”میں تیری اولاد کو اپنے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں“ اسے قاضی نے روایت کیا، جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ حکم بن ابی العاص کا گزر ہوا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس کی صلیب اولاد سے میری امت کی تباہی ہے“ اس کے علاوہ بھی بہت سی مرویات ہیں۔

ان احادیث و روایات کا ظاہری معنی اس کے جھوٹ اور موضوع ہونے پر واضح طور سے دلالت کر رہا ہے جو ہمیں اس کی سند پر بحث و فتنہ سے بے نیاز کر دے رہا ہے، نبی ﷺ نے کئی مرتبہ لعن طعن سے منع کیا ہے اور بعض دفعہ بعض صحابہ کرام کو اس اونٹ سے اتار دیا جس پر انہوں نے لعنت بھیجی تھی، اور نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں لعن طعن کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں“ پھر یہ روایتیں کہاں سے آئیں، جن میں بنو امیہ پر بکثرت لعنت بھیجی گئی ہے؟ حتیٰ کہ ابو جہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، ابی ابن خلف، ولید بن مغیرہ، اور عبداللہ بن سلول وغیرہ رؤساء مشرکین جو اپنے کفر و عناد میں

شراب لٹھا کر خوش گپیاں کرنے والا تھا، قتل حسین کے بعد ایک دن شراب پینے بیٹھا جب کہ ابن زیاد اس کے دائیں جانب تھا، اس نے ساقی کی طرف متوجہ ہو کر یہ اشعار پڑھے!

مجھے ایسا گھونٹ پلا جو میرے دل کو سیراب کر دے

اور اس کے بعد قاسم ابن زیاد کو بھی اسی جیسا گھونٹ پلا،

جو میرا راز دار اور امین ہے،

اور میرے جہاد و غنیمت کو درست کرنے والا ہے،

یزید کے ساتھیوں اور اس کے گورنروں پر فسق و فجور غالب تھا وہ خود بھی وہی کرتا تھا، اسی کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ میں گانا ظاہر ہوا اور لبو ولعب کے سامان استعمال کئے گئے، اور لوگوں نے علانیہ شراب نوشی کی۔ (مروج الذهب: ۷۷۳)

### [۳]

✽ مروان بن الحکم کے بارے میں لوگوں نے بڑی باتیں کیں، حیاۃ البیوان میں ایک عبارت اس طرح ہے: حاکم نے مستدرک میں کتاب الفتن والملاحم میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: جس کسی کو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا وہ اسے نبی ﷺ کے پاس لاتا تو آپ اس کے لئے دعا کرتے، آپ کے پاس مروان بن الحکم کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”گرگٹ بن گرگٹ اور ملعون بن ملعون“ ہے۔ اس کو روایت کرنے کے بعد حاکم نے کہا: ”صحیح الاسناد“ پھر انہوں نے عمرو بن مرة الجعفی سے روایت کیا ہے جو کہ صحابی تھے کہ حکم بن العاص نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی، آپ نے اس کی آواز پہچان لی اور فرمایا: اسے اجازت دیدو، اس پر اور جو اس کی صلب سے نکلے گا اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو، سوائے مومن کے، اور وہ بہت ہی کم ہوں گے، وہ لوگ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور آخرت کو برباد کر دیں گے، دھوکہ باز اور مکار ہوں گے، انہیں دنیا سے نوازا جائے گا اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا“

اسی طرح کتاب ”الاشیاء فی أشراف السامع“ میں بنو امیہ کی مذمت میں وارد تمام صحیح و غیر صحیح روایات کو جمع کر دیا ہے، اس میں ہے کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں حکم کی اولاد کو دیکھا کہ وہ میرے منبر پر ایسے ہی چڑھ رہے ہیں جیسے کہ بندر چڑھتا ہے“

حدیث کے موافق فیصلہ کیا۔ (اغالیطہ المورخین: ۱۵۳-۱۵۲)

مروان کا شمار راویان حدیث میں ہے انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے صلہ رحمی کے لئے ہدیہ دیا تو اسے واپس نہیں لے سکتا،

اسی طرح مروان نے عثمان، زید بن ثابت، بسرہ بنت صفوان اور کبیل بن سعد الساعدی سے بھی روایت کیا ہے،

مروان مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ لیتے تھے اور جس پر ان کا اتفاق ہوتا اس پر عمل کرتے تھے، ابن سعد نے انہیں تابعین کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۴۳/۵)

[۴]

کہا جاتا ہے کہ نصرانی شاعر اخطل خلیفہ کے پاس اس حال میں آتا تھا کہ صلیب اس کی گردن میں رہتی تھی اور شراب اس کی داڑھی سے لپکتی تھی تاکہ خلیفہ کو اپنا شعر سنا سکے: قریش کے لوگ اخلاق عالیہ اور شرافت و سر بلندی پر فائز ہو گئے۔

اور کینگی انصاری پگڑیوں کے نیچے ہے۔ تم فضائل اور خصال حمیدہ کو ترک کر دو کیوں کہ اس کے اہل نہیں ہو۔

اور اسے بنی نجار پھاڑے لے لو۔ گھوڑ سوار تمہاری پشت کو پہچانتے ہیں یعنی تم میدان سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے ہو۔

اور کشادہ زمین والے کسان کی اولاد ہو۔ اور ابن الفرید یعنی حسان بن ثابت کا نسب بیان کرو گے تو تم کو خیال گزرے گا کہ گدھا اور گدھی کے درمیان گدھے کا بچہ ہے۔

کیا کسی خلیفہ خواہ صحابی ہو یا تابعی کے بارے میں یہ بات معقول ہے؟ کیوں کہ یہ قصہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبد الملک کے بارے میں مروی ہے، اس زمانے میں کون ہے جو انصار نبی، شاعر رسول، اور آپ ﷺ کے نانیہال والوں کو سب و شتم کر سکے؟! اور کون خلیفہ یا کسی بھی زمانے میں کون مسلم بادشاہ ہے جو اس بات کو پسند کرے گا کہ نقشے میں مدہوش آدمی اس کے پاس آئے؟! جاری ہے۔

بہت شدید تھے ان کے بارے میں بھی روایتوں میں ایسی لغت بھیجے کا تذکرہ نہیں ہے۔ (اغالیطہ المورخین: ۱۲۶-۱۲۸)

مروان بن الحکم خلیفہ تھے صحابہ کرام جن کے پاس آتے جاتے تھے وہ حکم دیتے اور منع کرتے تھے اور نماز میں ان کی امامت کرتے تھے، یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کیوں کہ خلفاء بنی امامت کبریٰ کے ساتھ ساتھ امامت صغریٰ کی ذمہ داری بھی انجام دیتے تھے، بلکہ بنو امیہ کے امراء اور گورنر بھی صحابہ کرام کی امامت کرتے تھے حتیٰ کہ حجاج بھی انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

یہ بات محال ہے کہ صحابہ کرام جسے امامت کا اہل نہ سمجھتے ہوں اس کی امامت پر چپ رہیں یا اس کی اقتدا میں نماز ادا کریں۔ رہی بات صحابہ کا مروان کے پاس جانا اور ان کے فیصلہ کرنے کی توثیق علیہ روایت میں ہے بخاری نے کہا: حدیث آدم حدیثا سلیمان بن المغیرہ حدیثا حمید بن حلال الحدادی حدیثا صالح الاسمان، انہوں نے کہا: میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو جوحدہ دن کسی چیز کا سترہ لے کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، بنی ابی معیط کے ایک نوجوان نے ان کے سامنے سے گزرنے کا ارادہ کیا تو ابوسعید خدری نے اس کے سینے پر مار کر اسے ہٹایا، نوجوان نے نظر ڈالی تو کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آیا لہذا وہ دوبارہ ان کے سامنے سے گزرنے لگا، پھر ابوسعید نے پہلی مرتبہ سے زیادہ سختی سے اسے منع کیا، اس پر اس نے ابوسعید کو بر اہملا کہا، پھر وہ مروان کے پاس گیا اور ابوسعید خدری کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا تھا اسے مروان سے بیان کیا اس کے پیچھے ہی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مروان کے پاس گئے، مروان نے ان سے کہا: اے ابوسعید! تمہارا اور تمہارے پیچھے کا کیا معاملہ ہے؟ ابوسعید خدری نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”جب کوئی آدمی کسی چیز کا سترہ لے کر نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی اس کے سامنے سے گزر جانا چاہے تو اسے چاہیے کہ اسے دفع کرے، نالے، اور اگر انکار کرے تو اس سے جنگ کرے کیوں کہ وہ شیطان ہے۔“

اس حدیث میں مروان کی فضیلت کی دلیل ہے کہ ان کے پاس جانا مکمل تھا اور ان کے دربان لوگوں کو روکتے نہ تھے اور امیر رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری میں انہوں نے



# کیا علی رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے قنوت میں بددعا کرنا ثابت ہے؟؟؟

کچھ کفایت اللہ سائلین (سوانح نبوت ص ۱۷۱)

## روایت :

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (التوفی: ۳۱۰) نے کہا:  
حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، قَالَ:  
حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ، عَنْ ابْنِ مَعْقِلٍ،  
قَالَ: قَنَتَ بَنُو زُجَلَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلِيُّ وَأَبُو مُوسَى.

عبد اللہ بن معقل روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کے صحابہ میں دو حضرات نے ہمیں قنوت پڑھائی ایک علی رضی  
اللہ عنہ اور دوسرے ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ (تہذیب  
الاکثر: ۱/۳۶۰، اسنادہ صحیح)

## الحکم بن عتیبة کی روایت :

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (التوفی: ۳۱۰) نے کہا:  
حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعُودَةَ السَّامِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا  
يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ الْحَكَمِ  
بْنِ عَتِيبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ، قَالَ: قَنَتَ بَنُو  
زُجَلَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَلِيُّ، وَأَبُو مُوسَى.

عبد اللہ بن معقل روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کے صحابہ میں دو حضرات نے ہمیں قنوت پڑھائی ایک علی رضی  
اللہ عنہ اور دوسرے ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ (تہذیب  
الاکثر: ۱/۳۵۹، اسنادہ صحیح)

## سلمة بن کھیل کی روایت :

امام عبد الرزاق رحمہ اللہ (التوفی: ۲۱۱) نے کہا:  
عَنْ يَحْيَى، عَنْ الثَّوْرِيِّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ  
عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ، أَنَّ عَلِيًّا قَنَتَ فِي الْمَغْرِبِ، فَدَعَا

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (التوفی: ۲۴۵) نے کہا:

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا  
عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَعْقِلٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيٍّ صَلَاةَ  
الْعِدَاةِ، قَالَ: فَقَنْتُ، فَقَالَ فِي قُنُوتِهِ: اللَّهُمَّ عَلِيَّكَ  
بِمُعَاوِيَةَ وَأَشْيَاعِهِ وَعَمْرُو بْنِ الْعَاصِ وَأَشْيَاعِهِ، وَأَبِي  
الْأَعْوَرِ السُّلَمِيِّ، وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ وَأَشْيَاعِهِ.

عبد الرحمن بن معقل کہتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز حضرت  
علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی اور آپ نے قنوت کیا اور قنوت  
میں یہ الفاظ کہے: ”اے اللہ معاویہ اور اس کے گروہ، عمرو بن  
العاص اور اس کے گروہ، ابوالاعور السلمی اور عبد اللہ بن قیس اور  
اس کے گروہ کو پکڑ لے ان کو برباد کر دے“۔ (مصنف ابن  
ابی شیبہ: مسلفیہ: ۲/۳۱۷)

یہ روایت آج کل بہت پیش کی جا رہی ہے ہماری نظر میں یہ  
روایت ضعیف ہے۔

آگے ہم اس کی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دو طرق سے مروی ہے:

پہلا طریق : عبد اللہ بن معقل

دوسرا طریق : عبد الرحمن بن معقل

## پہلا طریق : عبد اللہ بن معقل

## کی روایت

عبد اللہ بن معقل سے درج ذیل لوگوں نے روایت کیا ہے:

أبو حصين عثمان بن عاصم

الحکم بن عتیبة

سلمة بن کھیل

## ابو حصین عثمان بن عاصم کی



امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (التوتی: ۳۱۰) نے کہا:

حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عُيَيْدِ أَبِي الْحَسَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَعْقِلٍ، يَقُولُ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَنْتُ.

عبدالرحمن بن معقل فرماتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے قنوت پڑھا۔ (لہذا یہ الآثار لمطهری: ۳۶۰/۱، وخرجہ ایضاً الطحاوی فی شرح معانی الآثار: ۲۵۱/۱ من طریق ابی داؤد بہ وخرجہ ایضاً البیہقی فی سننہ: ۲۴۵/۲، من طریق عبید اللہ بن معاذ عن ابیہ عن شعبۃ نحوہ)

عبدالرحمن بن معقل کے اس شاگرد کی روایت میں بھی ان لوگوں کا نام مذکور نہیں ہے جن پر علی رضی اللہ عنہ بدعا کر رہے تھے۔

تعمیم:

یعقوب فسوی نے عبید اللہ بن معاذ کے طریق سے اسی روایت کو نقل کیا تو معاویہ اور ابواور کا نام ذکر کر دیا۔ (المعرفة والتاریخ للفسوی: ۱۳۵/۳)

لیکن امام بیہقی کی سنن میں عبید اللہ بن معاذ کی طریق سے یحییٰ بن محمد الحنفی نے روایت کیا تو انہوں نے کسی کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ لابیہقی: ۲۴۵/۲)

اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی عبید اللہ بن معاذ ہی کے طریق سے یہ روایت یوں نقل کی ہے:

مَعَاذُ بْنُ مَعَاذٍ، نَا شُعْبَةَ، عَنْ عُبَيْدِ أَبِي الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَعْقِلٍ، قَالَ: "شَهِدْتُ عَلِيًّا قَنْتَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ بَعْدَ الرُّكُوعِ، وَيَدْعُو فِي قُنُوتِهِ عَلِيَّ خَمْسَةَ رَهْطٍ.

عبدالرحمن بن معقل فرماتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز فجر میں حاضر ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے رکوع کے بعد قنوت کیا اور پانچ لوگوں کے خلاف بدعا کی۔ (تسبیح التحقيق للذہبی: ۲۴۶/۱)

عَلَى نَاسٍ وَعَلَى أَشْيَاعِهِمْ، وَقَنْتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ. عبد اللہ بن معقل روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے مغرب میں قنوت پڑھی اور کچھ لوگوں اور ان کے پیروکاروں پر بدعا کی، اور رکوع سے قبل قنوت کیا۔ (المصنف لابیہ الرزاق الصنعانی، دار التاویل: ۷۴/۳، واستادہ صحیح) یہ طریق صحیح و ثابت ہے۔

اس طریق سے مروی تمام روایات میں سے کسی ایک بھی روایت میں ان لوگوں کا نام مذکور نہیں ہے جن پر علی رضی اللہ عنہ بدعا کر رہے تھے۔

❁ دوسرا طریق: عبد الرحمن بن معقل

عبدالرحمن بن معقل سے درج ذیل لوگوں نے روایت کیا ہے:

سلمہ بن کھیل

أبو الحسن عبید بن الحسن

حصین بن عبد الرحمن السلمی

❁ سلمہ بن کھیل کی روایت:

امام ابن المنذر رحمہ اللہ (التوتی: ۳۱۹) نے کہا:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ، قَالَ: ثنا عَبْدُ اللَّهِ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَلْمَةَ بْنِ كَهَيْلٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْقِلٍ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَنْتَ فِي الْمَغْرِبِ قَدْعَا عَلَى أَنَاسٍ وَعَلَى أَشْيَاعِهِمْ، وَقَنْتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ.

عبدالرحمن بن معقل روایت کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مغرب میں قنوت کیا اور کچھ لوگوں اور ان کے پیروکاروں پر بدعا کی اور رکوع کے بعد قنوت کیا۔ (الآوسط لابن المنذر: ۲۱۰/۵، واستادہ صحیح)

عبدالرحمن بن معقل کے اس شاگرد کی روایت میں ان لوگوں کا نام مذکور نہیں ہے جن پر علی رضی اللہ عنہ بدعا کر رہے تھے۔

❁ أبو الحسن عبید بن الحسن کی

روایت:

حصین سے روایت کرنے والے ان کے مذکورہ دونوں تلامذہ (یعنی شعبہ اور شریک) یہی روایت نقل کرتے ہیں مگر ان میں کوئی بھی کسی کا نام ذکر نہیں کرتا جس پر علی رضی اللہ عنہ بد دعا کرتے ہیں۔

لیکن حصین کے شاگرد حشیم نے جب ان سے یہ روایت بیان کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا نام ذکر کر دیا! ملاحظہ ہو:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (التوفی: ۲۵۵) نے کہا:

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَعْقِلٍ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيِّ صَلَاةِ الْبُعْدَةِ، قَالَ: فَفَقَنْتُ، فَقَالَ فِي قُنُوتِهِ: اللَّهُمَّ عَلَيَّ بِمُعَاوِيَةَ وَأَشْيَاعِهِ وَعَمْرُو بْنِ الْعَاصِ وَأَشْيَاعِهِ، وَأَبِي الْأَعْوَرِ السَّلْمِيِّ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ وَأَشْيَاعِهِ.

عبدالرحمن بن معقل کہتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی اور آپ علیہ السلام نے قنوت کیا اور قنوت میں یہ الفاظ کہے ”اے اللہ معاویہ اور اس کے گروہ، عمرو بن العاص اور اس کے گروہ، ابوالاعور السلمی اور عبداللہ بن قیس اور اس کے گروہ کو پکڑ لے ان کو برباد کر دے۔“

(مصنف ابی شیبہ، سلفیہ: ۳۱۷/۲) معلوم ہوا کہ حشیم کی روایت ان کے استاذ حصین کے دو شاگردوں (شعبہ اور شریک) کے خلاف ہے۔

بلکہ ان کے استاذ حصین بن عبدالرحمن السلمی کے دو متابع شیخ عبدالرحمن بن معقل کے دو شاگردوں (سلمہ بن کھیل اور ابوالحسن عید بن الحسن) کی روایات کے بھی خلاف ہے۔

مزید یہ کہ علی رضی اللہ عنہ کی روایت کا جو پہلا طریق عبداللہ بن معقل کا ہے اس کے بھی خلاف ہے۔

لہذا اس قدر مخالفتوں کے بعد تہا اس سند کی وجہ سے اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے راجح بات ان شاء اللہ یہی ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ والی جس روایت میں معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے نام کی صراحت ہے وہ شاید یعنی ضعیف ہے۔

اور محفوظ روایت صرف اتنی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قنوت میں کچھ لوگوں پر بد دعا کرتے تھے۔ لیکن یہ لوگ کون تھے یہ صحیح و محفوظ روایت سے ثابت نہیں ہے۔

مزید یہ کہ امام ابوداؤد والے مذکورہ طریق میں بھی کسی کا نام مذکور نہیں ہے۔

اس لئے یہی روایت محفوظ ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابوالحسن عبید بن الحسن کی روایت میں کسی کے نام کی صراحت ثابت نہیں ہے، اور ابوالحسن عبید بن الحسن بالاجماع ثقہ ہیں بلکہ:

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (التوفی: ۴۶۳) نے کہا:

”اجمعوا علی أنه ثقة حجة“.

اہل فن کا اجماع ہے کہ یہ ثقہ اور حجت ہیں۔ (الاستغناء بحوالہ اكمال التذیب الكمال لمغلطای: ۸۶۹، التذیب التذیب لابن حجر، ح: الفہد: ۶۲۷)

**حصین بن عبد الرحمن السلمی کی روایت:**

ان سے کئی لوگوں نے روایت کیا ہے:

☆ شعبہ بن الحجاج

ابو عفرطی وی رحمہ اللہ (التوفی: ۳۲۱) نے کہا:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ، قَالَ: ثنا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي حُصَيْنٌ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ مَعْقِلٍ، يَقُولُ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيٍّ وَصَّى اللَّهُ عَنْهُ الْمَغْرِبَ فَفَقَنْتُ وَدَعَا.

عبدالرحمن بن معقل روایت کرتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کے پیچھے نماز مغرب پڑھی تو آپ نے قنوت پڑھا اور دعا کی۔ (شرح معانی

السنن: ۲۵۲/۱، و اسنادہ صحیح)

☆ شریک بن عبداللہ

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (التوفی: ۲۵۵) نے کہا:

حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْقِلٍ، قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ الْمَغْرِبِ، فَفَقَنْتُ، عبدالرحمن بن معقل روایت کرتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز مغرب پڑھی تو آپ نے قنوت پڑھا۔ (مصنف ابی

شیبہ، سلفیہ: ۳۱۸/۲، و اسنادہ صحیح)

وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا ان کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک بھائی تھے۔ ان میں سے ایک اونٹ کو چلا رہا تھا اور دوسرا ہانک رہا تھا۔ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو سواری اور سوار پر نیز چلانے والے اور ہانکنے والے پر۔ (انسباب الأشراف لبلاذری، ج ۱، ص ۱۳۶، رجالہ ثقافت)

ملاحظہ فرمائیے اس کے ساری راوی ثقہ ہیں۔ لیکن اصل مدعا پر آنے سے قبل مناسب ہے کہ ایک بے جان شبہ کا ازالہ کر دیا جائے۔

### ایک شبہ کا ازالہ

ایک صاحب نے راقم الحروف کے مضمون ”حدیث خلافت تیس سال، ایک تحقیقی جائزہ“ پر اعتراض کے ضمن میں اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ امام بلاذری کا استاذ خلف کون ہے یہ پتہ نہیں۔

حالانکہ امام بلاذری کے اساتذہ میں صرف ایک ہی خلف کا نام ملتا ہے۔

اور امام بلاذری نے اپنی اس کتاب میں پچاس (۵۰) مقامات پر اپنے اس شیخ کا نام مع والد (خلف بن ہشام) لکھا ہے۔

اور ہمیں (۳۲) مقامات پر لقب (الہزار) کے ساتھ (خلف بن ہشام الہزار) لکھا ہے۔

پھر بھی کوئی کہے کہ خلف کا اتنا پتہ نہیں تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

حیرت ہے کہ موصوف نے کہا کہ خلف کا تذکرہ عبدالوارث کے تلامذہ میں نہیں ملتا، اور عبد الوارث کا تذکرہ خلف کے اساتذہ میں نہیں ملتا۔ اس بنا پر موصوف نے خلف کو غیر معلوم کہنے کی کوشش کی۔

عرض ہے کہ کیا اسی منطق سے عبدالوارث بن سعید کو بھی غیر معلوم کہہ دیا جائے؟ یہی کہتے ہوئے کہ عبدالوارث کے تلامذہ میں خلف کا ذکر نہیں ملتا اور خلف کے اساتذہ میں عبدالوارث کا ذکر نہیں ملتا؟؟

یہاں پر یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ یہاں اختلاف کی نوعیت اختصار و اجمال کی نہیں بلکہ شد و زہد و تفرد کی ہے۔ اختصار و اجمال کی بات متن کے ثابت ہونے کے بعد کی جاتی ہے، لیکن جب روایت کے تمام طرق و اسانید کے دراسہ سے کوئی خاص متن شد و زہد و تفرد کے دائرہ میں آجائے تو وہ اپنے اندر اجمال یا تفصیل کچھ بھی رکھے بہر صورت شد و زہد کے سبب وہ غیر ثابت شدہ قرار پائے گا۔

واضح رہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے مخالف صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا گروہ ہی نہیں تھا بلکہ علی رضی اللہ عنہ کے اور بھی مخالفین تھے جن سے علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی بھی ہوئی اس لئے اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ بدعوا ان لوگوں کے لئے کی گئی ہو۔

بہر حال ہم بغیر کسی پختہ ثبوت کے یہ نہیں مان سکتے کہ علی رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر بدعوا کرتے تھے۔

### ایک مثال

اگر ثقہ رواۃ کی سند سے کسی روایت میں یہ آگیا کہ علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعوا کرتے تھے تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔

کیونکہ ثقہ رواۃ ہی کی سند سے ایک روایت ایسی بھی ہے جس میں یہ آگیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بلکہ ان کے والد اور ان کے بھائی پر بھی لعنت کی ملاحظہ ہو:

امام احمد بن یحییٰ، البلاذری (التوفی: ۲۷۹) نے کہا:

حَدَّثَنَا خَلْفٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمُهَانَ عَنْ سَفِينَةَ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا فَمَرَّ أَبُو سُفْيَانَ عَلَى بَعِيرٍ وَمَعَهُ مُعَاوِيَةُ وَأَخُوهُ، أَحَدُهُمَا يَقُوذُ الْبُعِيرَ وَالْآخَرُ يَسُوْقُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَنَ اللَّهُ الْخَامِلَ وَالْمَحْمُولَ وَالْقَائِدَ وَالْمُسَانِقَ.

سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ



ذکرہ الشیخ، ولا العروۃ إلا قلیلاً بحسب النشاط وعدمہ، لنلا یعتقد معتقد أن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ استوفی فی جمیع ذلک، ویعلم أن الإحاطة متعذرة ولا سبیل إليها۔

اس کتاب (اکمال تہذیب الکمال) میں میری شرط یہ ہے کہ میں کسی راوی کے تمام اساتذہ و تلامذہ کا استیعاب نہیں کروں گا اور نہ شیخ مزی کی ذکر کردہ فہرست پر اضافہ کروں گا البتہ بسا اوقات حسب نشاط بعض کا ذکر کروں گا کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ شیخ مزی رحمہ اللہ نے تمام اساتذہ و تلامذہ کا استیعاب کر لیا ہے اور یہ جان لے کہ یہ استیعاب محال و ناممکن ہے اسے انجام دینے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ (اکمال تہذیب الکمال لمغلطای: ۵۰۱)

معلوم ہوا کہ کسی بھی محدث نے کسی راوی کے تلامذہ یا اساتذہ کے ذکر کرنے میں استیعاب کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ نیز کسی نے جو مختصر فہرست پیش بھی کی تو مشہور مصنفات حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کی ہے نہ کہ اس کے لئے کتب انساب اور کتب تاریخ کو بھی کھنگال ڈالا ہے۔

اس لئے کتب انساب وغیرہ میں تلامذہ و اساتذہ کے ایسے رشتہ بھی سامنے آ سکتے ہیں جن کا تذکرہ کسی محدث نے نہیں کیا بلکہ کتب حدیث میں بھی ایسے رشتے سامنے آتے رہتے ہیں اور کوئی بھی صاحب علم ان رشتوں کا انکار نہیں کرتا۔ قدر۔

اور موصوف معترض نے ایک بات تو بالکل متعصب تقلید یوں جیسی کہہ ڈالی اور انتہائی بے شری کے ساتھ لکھا کہ: ”اسی کے طبقے میں ایک خلف اور ہے اور وہ خلف بن خلیفہ بن صاعد بن براء الشجعی ہے جس کو آخری عمر میں تغیر ہو گیا تھا۔“ (محدث فورم، موضوع حدیث خلافت تیس سال)

عرض ہے کہ اس پر مجھے تقلید یوں کا وہ اعتراض یاد آ گیا جو وہ مسند احمد میں موجود سینے پر ہاتھ باندھنے والی سند پر کرتے ہیں چنانچہ اس سند میں امام احمد کے اساتذہ اور سفیان ثوری کے شاگرد کی جگہ یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے۔ اس پر تقلیدی کہتے ہیں کہ اس طبقہ میں چار یحییٰ بن سعید ہیں بعض ضعیف ہیں۔ اس لئے کیسے

اگر کہا جائے کہ عبدالوارث کے اساتذہ جو سعید ہیں ان سے عبدالوارث کا تعین ہو جاتا ہے کیونکہ سعید کے تلامذہ میں عبدالوارث کا ذکر ملتا ہے تو تھیک اسی طرح خلف کے جوشاگرد امام بلاذری ہیں ان سے بھی خلف کا تعین ہو جاتا ہے کیونکہ امام بلاذری کے اساتذہ میں خلف بن ہشام کا تذکرہ ملتا ہے دیکھئے:

(سیر اعلام النبلاء ط الرسالۃ: ۱۳/۱۶۲)

لہذا جب خلف کے شاگرد سے خلف کا تعین ہو گیا اور عبدالوارث کے اساتذہ سے عبدالوارث کا تعین ہو گیا۔ اور ان دونوں کے بیچ صیغہ تحدیث ہے جو خود ان دونوں کے بیچ شاگرد و اساتذہ کے رشتہ کی صریح دلیل ہے تو اب الگ سے ان کے بیچ اس رشتہ کے کہیں اور تذکرہ کی تلاش کی ضرورت کیوں پڑی؟

اگر ان دونوں کے بیچ صیغہ ہوتا تو ایک شبہ ہو سکتا تھا کہ ان دونوں کی آپس میں ملاقات ہے یا نہیں اور یہ شبہ بھی معاشرت کے ثبوت کے بعد زائل ہو جاتا لیکن جب اس سند میں واضح طور دونوں کے بیچ سماع کی صراحت موجود ہے تو اب مزید قیل و قال کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اور ماتم تو یہ ہے کہ آنکھوں کے سامنے سند کے اندر یہی یہ رشتہ ثابت ہو جانے کے بعد یہ حضرت الگ سے قیل و قال تلاش کر رہے ہیں حالانکہ یہ قیل و قال اس طرح کی دلیل دیکھ کر ہی صادر ہوتے ہیں تو جب سامنے صریح دلیل موجود ہے تو صریح دلیل کے ہوتے ہوئے اس کے مطابق کسی فتویٰ کی تلاش کیوں؟

یہ تو ایسے ہی ہوا کہ کوئی صحیح اور صریح حدیث مل جائے تو یہ کہا جائے کہ اس کے مطابق کسی نے فتویٰ نہیں دیا اس لئے اس صریح دلیل کو نہیں مانا جائے گا۔ اس بابت قدرے تفصیل ہماری کتاب انوار الہدیر کے اخیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علاوہ بریں یہ بات بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ اساتذہ اور تلامذہ کے رشتوں کے بیان کرنے میں کسی نے استیعاب کا دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ کسی نے استیعاب کی کوشش بھی نہیں کی ہے۔ اور یہ ممکن بھی نہیں ہے حافظ مغلطای (التوفی: ۷۲۷) یہی بات واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأن لا أستوعب شیوخ الرجل وزبادة علی ما

معلوم ہوگا کہ یہاں کون ہے؟

اب بتلائے کہ اس طبقہ میں چار صحابی بن سعید ہونے کا یہ مطلب کیسے ہوگا کہ یہ چاروں امام احمد کے استاذ بھی ہو سکتے ہیں؟ کیا امام احمد کی سندوں میں بھی ان کے اساتذہ کی جگہ پر ان چاروں کا نام آیا ہے؟ یا کتب رجال میں ان چاروں کو امام احمد کے اساتذہ میں گنایا گیا ہے؟؟ اگر نہیں تو ظاہر ہے کہ یہاں وہی صحابی ہیں جو امام احمد کے استاذ ہیں۔ تفصیل میری کتاب انوار الہدٰی میں ہے۔

ٹھیک اسی طرح یہاں بھی اس طبقہ میں بھی ایک اور خلف ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ خلف امام بلاذری کا استاذ بھی ہوگا۔ اس لئے یہاں وہی خلف مراد ہوگا جو امام بلاذری کا استاذ ہے۔ اور امام بلاذری کے اساتذہ میں صرف ایک ہی خلف کا ذکر ان کی کتاب میں ملتا ہے اور کتب رجال میں بھی ان کے اساتذہ میں صرف ایک ہی خلف کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہیں خلف بن هشام دیکھئے: (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳: ۱۶۲) الرواۃ: ۱۶۲ عروالی المقصود:

بہر حال ماقبل میں بلاذری کی جو روایت پیش کی گئی ہے اس کی سند کے سارے رجال ثقہ ہیں۔

لیکن بعض حضرات ثقہ رواۃ والی اس روایت میں امیر معاویہ اور ان کے والد کے نام کے ذکر کو صحیح نہیں مانتے اس کی وجہ یہ بتلاتے کہ امام بزار نے اسی روایت کو بیان کیا تو ان کی روایت میں یہ نام نہیں ہیں چنانچہ:

امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

حَدَّثَنَا السَّكْنُ بْنُ سَعِيدٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبِي ، وَحَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمُهَانَ ، عَنْ سَقِينَةَ ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا فَمَرَّ رَجُلٌ عَلَى بَعْضِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ قَائِدٌ وَخَلْفَهُ سَائِقٌ ، فَقَالَ : لَعَنَ اللَّهُ الْقَائِدَ وَالسَّائِقَ وَالرَّاجِبَ .

سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اونٹ پر ایک شخص کا گزر ہوا اس

کے سامنے اونٹ چلانے والے تھا اور پیچھے اونٹ ہانکنے والا ، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو ہانکنے والے پر، چلانے والے پر اور رسوا پر۔ (مجموع البزار: ۲۸۶، ۹)

حالانکہ اس روایت میں امام بزار کے شیخ ”السکن بن سعید“ غیر معروف ہیں کسی نے بھی ان کو ثقہ نہیں کہا ہے۔

امام بیہقی نے یہ روایت نقل کر کے یہ ضرور کہا ہے کہ: رواہ البزار ، ورجاله ثقات . (مجمع الزوائد وصنیع الغواف: ۱۱۳)

لیکن خود امام بیہقی نے ہی دوسری جگہ کہہ دیا:

”و شیخ البزار السکن بن سعید ولم أعرفه“.

بزار کے شیخ السکن بن سعید کو میں نہیں پہچان سکا۔ (مجمع الزوائد للہیثمی: ۱۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ السکن بن سعید امام بیہقی کی نزدیک بھی غیر معروف ہے۔ اور اجتماع ٹوٹش میں ان سے وہم ہوا۔

یعنی بزار والی یہ روایت سداضعیف ہی ہے۔

اب غور کریں کہ جب ضعیف سند والی روایت میں نام ذکر نہ ہونے سے بعض لوگ ثقہ رواۃ والی سند میں نام کے ذکر کئے جانے کو غلط مانتے ہیں۔

تو پھر مصنف ابن ابی شیبہ کی ثقہ رواۃ والی سند میں امیر معاویہ کے نام کے تذکرے کو غلط کیوں نہ کہا جائے جبکہ اس کے برخلاف کئی ثقہ والی روایت میں امیر معاویہ کے نام کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ بعض روایات میں تو نام کا تذکرہ نہ کرنے والے متفقین ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

واضح رہے کہ بزار والی روایت سداضعیف ہونے کے باوجود بھی ہمارے نزدیک بلاذری کی ثقہ رواۃ والی روایت دیگر علل کے سبب ثابت نہیں ہے اس کی تفصیل راقم الحروف نے اپنے مضمون ”حدیث خلافت میں سال، ایک تحقیقی جائزہ میں“ پیش کر دی ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ والی روایت امیر معاویہ کے ذکر کے ساتھ شاذ یعنی ضعیف ہے۔









# باپ کی عظمت کے ایک اہم واقعہ کی حقیقت

اکبر علی سلفی

ہیں۔ وہ مخلص صحابی تھے، یہ سن کر وہ رونے لگے کہ جو اشعار ابھی میری زبان سے ادا بھی نہیں ہوئے، میرے اپنے کانوں نے بھی نہیں سنے آپ کے رب وہ بھی سن لیے اور آپ کو بتا بھی دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیا اشعار تھے ہمیں سنائیں۔ ان صحابی نے اشعار پڑھنا شروع کیے:

(آپ کو ان کا آسان ترجمہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ جو اشعار تھے اور جس اعلیٰ پایے کے تھے اور جو جذبات کی کیفیت تھی، ان کی صحیح ترجمانی اردو میں مشکل ہے بہر حال اشعار کچھ اس طرح تھے کہ)

اے میرے بیٹے!  
جس دن تو پیدا ہوا، ہماری محنت کے دن بھی سے شروع ہو گئے تھے۔

تو رہتا تھا، ہم سو نہیں سکتے تھے۔

تو نہیں کھاتا تو ہم کھا نہیں سکتے تھے۔

تو بیمار ہو جاتا تو تجھے لئے لئے کبھی کسی طبیب کے پاس علاج معالجہ کے لیے مارے مارے پھرتے تھے کہ کہیں تجھے کچھ ہونہ جائے، کہیں مرنہ جائے حالانکہ موت الگ چیز ہے اور بیماری الگ چیز ہے۔

پھر تجھے گرمی سے بچانے کے لئے میں دن رات کام کرتا رہا کہ میرے بیٹے کو ٹھنڈی چھائیں مل جائے۔

ٹھنڈ سے بچانے کے لئے میں نے پتھر توڑے، تغاریا اٹھائیں کہ میرے بچے کو گرمی مل جائے۔

جو کمایا تیرے لئے، جو بچایا تیرے لئے۔

تیری جوانی کے خواب دیکھنے کے لئے میں نے دن رات اتنی محنت کی کہ اب میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں لیکن تو کڑیل جوان ہو گیا ہے۔

پھر مجھ پر خزاں نے ڈیرے ڈال لیے لیکن تجھ پر بہار آگئی۔

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبی بعده، اما بعد:

محترم قارئین! اسلامی شریعت میں باپ کی عظمت مسلم ہے، کئی احادیث سے باپ کی عظمت واضح ہوتی ہے، انہیں میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الْوَالِدُ أَوْ مَنْطُ أَبْنَاءِ الْجَنَّةِ“۔ (سنن الترمذی بتحقیق بشار عوا: ۳۷۵/۳، ج: ۱، ۹۰۰، وقال المؤلف: هذا حديث صحيح وصححه الألبانی والارنؤو) ”باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے۔“

لیکن واپس پر باپ کی عظمت سے متعلق ایک واقعہ بڑے زور و شور سے سینہ دکایا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے:

## باپ کی عظمت کا ایک اہم واقعہ

(ماں باپ کی ناقدری کرنے والے ذرا اس حدیث کے واقعہ کو حرف پڑھئے اور اپنی دنیا و آخرت درست کر لیجئے)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے باپ کی شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ مجھ سے پوچھتا نہیں اور میرا مال خرچ کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے والد محترم کو بلوایا۔ جب ان کے والد کو پتا چلا کہ میرے بیٹے نے رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت کی ہے تو دل میں رنجیدہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے چلے، چونکہ عرب کی گھٹی میں شاعری تھی تو راستے میں کچھ اشعار ذہن میں کہتے ہوئے پہنچے۔ ادھر بارگاہ رسالت میں پہنچنے سے پہلے جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا معاملہ بعد میں سنئے گا، پہلے وہ اشعار سنیں جو وہ سوچتے ہوئے آرہے ہیں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کا مسئلہ بعد میں سنا جائے گا پہلے وہ اشعار سنائیے جو آپ سوچتے ہوئے آئے



ابہی، عن جابر بن عبد اللہ قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وآله وسلم فقال: يا رسول الله! إن أبي أخذ مالي، فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم للرجل: اذهب فأبني بأبيك، فنزل جبريل عليه السلام على النبي صلى الله عليه وآله وسلم فقال: إن الله يقرئك السلام، ويقول: إذا جاءك الشيخ فسله عن شيء، قاله في نفسه ما سمعته أذنا، فلما جاء الشيخ قال له النبي صلى الله عليه وآله وسلم: ما بال ابنك يشكوك، أتريد أن تأخذ ماله؟ فقال: سله يا رسول الله! هل أنفقته إلا على عتايه أو خالائه أو على نفسي؟ فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: إيه، دغنا من هذا، أخبرنا عن شيء، قلته في نفسك ما سمعته أذنا، فقال الشيخ: والله! يا رسول الله! مايزال الله يزيناك بيقينا، لقد قلت في نفسي شيئا ما سمعته أذنا، فقال: قل، وأنا أسمع، قال: قلت:

(البحر الطويل)

غذوئك مؤلداً ومثلك بافعا...

نعل بما أجبني عليك وتنهل

إذا البيلة صافتك بالسقم لم أبت...

لنسقمك إلا ساهراً أتمللمل

كأنني أنا المطر وفي ذوئك بالذي...

حرقته به ذوني فغيتني تهمل

تحاف الزدي نفسي عليك وإنها...

لتعلم أن الموت وقت مؤجل

فلما بلغت السن والغاية ألبى...

إليها مدي ما فيك كنت أو مل

جعلت جزائي غلظة و فظاظه...

كأنك أنت المنعم المتفضل

فليشك إذ لم ترع حق أنوبي...

فعلت كما أجاز المجاوز بفعل

ترافعةً إلى خلاف كأنه...

برز على أهل الصواب مؤكل (هذه القطعة ليست في

دلائل النبوة والمعجم الاوسط)

قال: فحينئذ أخذ النبي صلى الله عليه وآله وسلم

بنابيب ابنيه وقال: أئت و مالك لأبيك -

(وفي دلائل النبوة: فبكى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

میں ہجک گیا تو سیدھا ہو گیا۔  
اب میری خواہش اور امید پوری ہو گئی کہ اب تو ہر ابھرا ہو گیا ہے۔

چل اب زندگی کی آخری سانس تیری چھان میں بیٹھ کر گزاروں گا۔

مگر یہ کیا کہ جوانی آتے ہی تیرے تپور بدل گئے۔

تیری آنکھیں ماتھے پر چڑھ گئیں۔ تو ایسے بات کرتا ہے کہ جیسے میرا سینا بھاڑ کر کھد ہے۔

تو ایسے بات کرتا ہے کہ کوئی غلام سے بھی ایسا نہیں کرتا۔

پھر میں نے اپنی ساری زندگی کی محنت کو جھٹلایا کہ میں تیرا باپ نہیں نوکر ہوں، نوکر کو بھی کوئی ایک وقت کی روٹی دے ہی دیتا ہے تو نوکر سمجھ کر بھی تیرے روٹی دے دیا کر۔

یہ اشعار سناتے سناتے ان کی نظر اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو دیکھا کہ آپ ﷺ اتاروئے کہ آپ کی واڑھی مبارک تر ہو گئی۔ آپ ﷺ جلال میں اپنی جگہ سے اٹھے اور بیٹے کا گریبان پکڑ کر فرمایا کہ: "انت و مالک لابیك"۔

تو اور تیرا اب کچھ تیرے باپ کا ہے۔

تو اور تیرا اب کچھ تیرے باپ کا ہے۔

تو اور تیرا اب کچھ تیرے باپ کا ہے۔

(رواہ الضبرانی والبیہقی دیکھئے: تفسیر قرطبی)  
اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تو ہم سب مسلمانوں کو اپنے اپنے والدین کی خدمت کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرما۔ آمین۔ (دربارِ محمداً کما ربیہ صغیراً)  
منقول مع تعدیل مطبع الرحمن فضل الرحمن السلفی کویت۔

راقم باادب تمام لوگوں سے گزارش کرتا ہے کہ اس واقعہ کی تشبیہ نہ کی جائے، اسے نہ پھیلا یا جائے کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے اور اگر کسی نے اسے پھیلا دیا ہے تو اس سے گزارش ہے کہ جہاں جہاں آپ نے مذکورہ واقعہ کو سن لیا ہے، وہاں وہاں راقم کے اس مضمون کو بھی سینڈ کر دیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

اب مذکورہ واقعہ کی حقیقت ملا حظہ فرمائیں:

✽ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الشافعی الطبرانی رحمہ اللہ

(المتوفی ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ بْنُ يَزِيدَ الْهَاشِمِيُّ بِمَضَرَ، حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ غُبَيْدُ بْنُ خَلْصَةَ بِمَعْرَةَ التَّغْمَانِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ الْمَدَنِيُّ، عَنْ الْمُشَكِّدِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ الْمُشَكِّدِ، عَنْ

وَسَلَّمَ. وَأَخَذَ بَتَلْبَيْبٍ۔۔)

(قال الطبرانی رحمه الله): "لَا يَزُوِي هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدَرِ إِلَّا بِهَذَا الْقِطَاعِ وَالشَّعْرِ إِلَّا بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَفَرًا ذِي عِيْدَيْنِ خَلَصَةً۔"

(ترجمہ): سیدنا جابر بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد نے میرا مال لے لیا ہے تو آپ نے اس سے فرمایا: جاؤ اور اپنے والد کو میرے پاس لے آؤ، پھر جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ جب شیخ (یعنی ان کے والد) آپ کے پاس آئیں تو آپ ان سے اس چیز کے بارے میں پوچھئے جو انہوں نے اپنے دل میں کہی ہے جن کو ان کے کانوں نے نہیں سنا۔ جب شیخ آپ کے خدمت میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: آپ کے بیٹے کا کیا معاملہ ہے کہ وہ آپ کی شکایت کرتا ہے، کیا آپ اس کا مال لینا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس سے پوچھئے کہ کیا (یہ حقیقت نہیں ہے کہ) میں نے اس کا مال اس کی چھوٹھیوں یا خالوں یا اپنے نفس پر ہی خرچ کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جائیے۔ (فی الحال) اس بات کو چھوڑیے اور مجھے اس چیز کے بارے میں بتائے جو آپ نے اپنے دل میں کہی ہے جن کو آپ کے کانوں نے نہیں سنا۔ تو شیخ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم، مسلسل اللہ تعالیٰ آپ پر ہمارے یقین کو بڑھاتا رہا ہے میں نے اپنے دل میں کچھ کہا جن کو میرے کانوں نے نہیں سنا۔ تب آپ نے کہا: آپ کیسے ہیں سنا ہوں، انہوں نے کہا کہ میں نے (اپنے دل میں یہ بات) کہی کہ:

(۱) میں نے بچپن میں تیری پرورش کی اور جوانی میں بھی تیرا نفع برداشت کیا، میری کمائی کے ذریعہ تو بچپن میں سیراب ہوا اور جوانی میں بھی سیراب ہوا۔

(۲) جب کسی رات تو بیمار ہو جاتا تو میں تیرے بیمار ہونے کی وجہ سے نہیں سوتا تھا، بیدار ہوتا اور بے قرار رہتا تھا۔

(۳) گویا کہ میں ہی اس بیماری میں مبتلا ہوں تو نہیں، جو مجھے چھوڑ کر تیرے پاس آگئی ہے۔ اسی لئے میری آنکھیں برس رہی ہیں۔

(۴) میں ڈرتا تھا کہ کہیں تو ہلاک نہ ہو جائے جبکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

(۵) اور جب تو بلوغت کو پہنچا اور اس انتہا کو پہنچا جس کی میں تیرے سلسلے میں امید رکھتا تھا۔

(۶) تو تو نے مجھے اس کے بدلے میں سخت دلی اور ترش روئی سے ہمساکر کیا گویا کہ تو ہی (مجھ پر) انعام کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

(۷) جب تو نے ابوت کے حق کی رعایت نہیں کی تو کاش کہ تم (میرے ساتھ) ویسا سلوک کرتے جیسا کہ ایک پڑوسی اپنے پڑوس میں رہنے والے کے ساتھ کرتا ہے۔

(۸) آپ اس کو خلافت کے لئے تیار پاؤ گے گویا کہ وہ درست کام کرنے والوں کا رو کرنے کے لئے ہی مقرر کیا گیا ہے۔ (یہ ٹکڑا دلائل النبوة و التتبعی اور جامع الکبیر للطبرانی میں نہیں ہے)۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ان کے بیٹے کے گریبان کو پکڑ کر فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے۔

(اور دلائل النبوة و التتبعی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ رو پڑے اور ان کے بیٹے کے گریبان کو۔۔)

(امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں): یہ پوری حدیث اور شعر محمد بن اسمدہ سے صرف اسی سند کے ساتھ روایت کی جاتی ہے، اس حدیث کو عبید بن خضاع بیان کرنے میں منفر وہے۔

(تخریج): (المعجم الصغير بتحقيق محمد شكور: ۱۵۲/۲، ج: ۹۴، واللفظ له و المعجم الأوسط للطبرانی بتحقيق طارق و عبد المحسن: ۳۳۹/۱، ج: ۲۵۰، ودلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة للبيهقي: ۳۰۳/۲، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، وتفسير القرطبي (الجامع لأحكام القرآن) بتحقيق أحمد البردولي وإبراهيم أطفيش: ۴۵۵/۱، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد بتحقيق حسام الدين القدسي: ۱۵۵/۳، ج: ۲۷۷، ومجمع البحرين في زوائد المعجمين بتحقيق عبد القدوس: ۲۱۲/۳، ج: ۲۱۹۷)۔

(حكم حديث): هذا حديث صحيح دون القصة والشعر وهما منكر واستاده ضعيف بمرة۔

✽ امام ابو الحسن نور الدين علي الشافعي رحمه الله (المتوفى: ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں: "والحديث بهذا القام عنك"۔ (مجمع الزوائد)

(منكر مونه کی وجہ): روایت بڑا میں تین علتیں ہیں:

(۱) فخر بن خالد بن يزيد النبذعي: اس کی بابت جرح

لیس بقوی۔“ (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم بتحقیق المعلمی: ۳۰۶/۸، ت: ۱۸۶۵)

(۵) امام ابو حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۷ھ): ”کان رجلاً صالحاً لا یقیم الحدیث، کان کثیر الخطأ، لم یکن بالحافظ لحدیث أبیه“۔ (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم بتحقیق المعلمی: ۳۰۶/۸، ت: ۱۸۶۵)

(۶) امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۳ھ): ”وَكَانَ مِنْ خِيارِ عبادِ اللَّهِ مَنْ اشْتَغَلَ بِالنَّشْطِ وَقَطَعَهُ الْعِبَادَةُ عَنْ مِراغَةِ الْحِفْظِ وَالتَّعَاهُدِ فِي الْإِتْقَانِ فَكَانَ يَأْتِي بِالشَّيْءِ الَّذِي لَا أَصْلَ لَهُ عَنْ أَبِيهِ تَوْهَمًا فَلَمَّا ظَهَرَ ذَلِكَ فِي رِوَايَتِهِ بَطَلَ الْاِخْتِجَاجُ بِأَعْيَارِهِ“۔ (المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين بتحقیق محمود ابراہیم: ۲۴/۳، ت: ۱۰۶۲)

(۷) امام ابو حاتم محمد بن حنبل، المعروف بابن شاذان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ): ”ليس بشيء“. قاله ابن معين۔ (تاريخ أسماء الضعفاء والكذابين بتحقیق عبد الرحيم الشافعي، ص: ۱۷۶، ت: ۶۱۸)

(۸) امام ابو الحسن نور الدین علی بن ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۷ھ): ”ضعيف“۔ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد بتحقیق حسام الدین القدسي: ۱۵۵/۳، ج: ۷، ص: ۷۷۰)

(۹) امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۴ھ): ”لين الحديث“۔ (تقريب التهذيب بتحقیق محمد عوامة، ص: ۵۴، ت: ۶۹۱۷)

ورج ذیل ائمہ کرام نے اسے ”ليس بالقوي“ کہا ہے:

(۱) امام علی بن عبد اللہ المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ): ”هُوَ عَدْنًا صَالِحٌ وَلَيْسَ بِالْقَوِي“۔ (سؤالات محمد بن عثمان بن أبی شیبہ لعلي بن المدینی بتحقیق موفق عبد اللہ، ص: ۱۳۷، ت: ۱۷۸)

(۲) امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ): ”ليس بالقوي“۔ (الضعفاء والمتروكون بتحقیق محمود ابراہیم، ص: ۹۹، ت: ۵۷۹)

(۳) امام ابو یعلیٰ خلیل بن عبد اللہ الخلیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۶ھ): ”ليس في الحديث بذلك القوي، لَمْ يَزُ طَرَفًا حِفْظُهُ“۔ (الإرشاد فی معرفة علماء الحديث بتحقیق الذکور محمد سعید، ص: ۳۱۰)

اب رہی بات اصل حدیث کی تو وہ صحیح ہے جیسا کہ حضرت عمرو

وتعدیل کا کوئی کلمہ مجھے نہیں مل سکا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص مل سکا جنہوں نے اس کا ترجمہ لکھا ہو۔

شیخ عبد القدوس بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لم أجده“ (مجمع البحرين بتحقیق عبد القدوس: ۱۲/۳، ج: ۲۱۹۷)

اس کی متابعت ”أَبُو دُجَانَةَ أَخَذَ بِنِ الْحَكَمِ الْمُعَاوَرِي“ نے کی ہے۔ دیکھیں: (دلائل النبوة للبيهقي) لیکن اس کی بابت بھی جرح وتعدیل کا کوئی کلمہ مجھے نہیں مل سکا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو پارکا جنہوں نے اس کا ترجمہ لکھا ہو۔

(۲) أَبُو سَلَمَةَ غَبِذَ بِنِ خَلِصَةَ: اس کی بابت بھی جرح وتعدیل کا کوئی کلمہ مجھے نہیں مل سکا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو پارکا جنہوں نے اس کا ترجمہ لکھا ہو۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولم أجده من ترجمه“۔ (إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل: ۳۴۵/۳، تحت الحديث: ۸۳۸) ”میں ایسے شخص کو نہیں پارکا جنہوں نے اس کا ترجمہ لکھا ہو“۔

اور یہ روایت ہذا کو بیان کرنے میں منفر دے جیسا کہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، میرے علم کی حد تک کسی نے بھی اس کی متابعت نہیں کی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) الْمُتَكِدِّزُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُتَكِدِّزِ التَّيْمِيِّ الْمَدَنِيِّ: موصوف نیک انسان تھے لیکن مجال حدیث میں ضعیف راوی تھے، جمہور محدثین کرام نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

(۱) امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۳ھ): ”ليس بشيء“۔ (الجرح والتعديل المعلمی: ۳۰۶/۸، ت: ۱۸۶۵، واسنادہ صحیح)

”ليس به شيء“ (تاريخ ابن معين) (رواية عثمان الدارمي) (بتحقیق أحمد محمد، ص: ۲۰۳، ت: ۷۵۳)

(۲) امام ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۹ھ): ”ضعيف الحديث“۔ (أحوال الرجال بتحقیق عبد العظیم البستوی، ص: ۲۴۲، ت: ۲۴۳)

(۳) امام احمد بن عبد اللہ العللی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ): ”ضعيف“۔ (تاريخ الثقات بتحقیق عبد العظیم البستوی: ۳۰۶/۲، ت: ۱۷۹۹)

(۴) امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۳ھ):



ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں: (آئینس انشاری فی تخریج و تحقیق الأحادیث النبی ذکرہا الخافض ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری: ۱۰۶۹/۲، ج: ۵۱)

**اب چند باتیں بطور تنبیہ پیش خدمت ہیں:**

(۱) شیخ نبیل بن منصور الکوثبی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: "قلت:

ولم یفرد عبید بن خلیصہ یہ بل تابعہ أحمد بن سعید الجمال ثناء عبد اللہ بن نافع الصانع ثنی المنکدر بن محمد عن أمیہ عن جابر أن رجلاً قال: یا رسول اللہ إن لی مالاً وعبالاً۔ و ذکر الحدیث"۔ (آئینس انشاری: ۱۰۷۱/۲)

راقم باوجود عرض کرتا ہے کہ اگر یہ امام طبرانی رحمہ اللہ کے قول پر تعاقب ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عبید بن خلیصہ اس پورے واقعہ اور شعر کو بیان کرنے میں منفرد ہے، کسی نے بھی ان کی متابعت نہیں کی ہے۔ اور دوسری بات احمد بن سعید کی روایت کی تو اس میں وہ واقعہ اور شعر نہیں ہے جو عبید بن خلیصہ کی روایت میں ہے لہذا شیخ کا یہ کہنا کہ: "ولم یفرد عبید بن خلیصہ یہ بل تابعہ أحمد بن سعید الجمال"۔ صحیح نہیں ہے اور اگر یہ تعاقب نہیں ہے بلکہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اصل حدیث کو بیان کرنے میں عبید منفرد نہیں ہے تب یہ کہنا کہ: "ولم یفرد عبید بن خلیصہ یہ بل تابعہ أحمد بن سعید الجمال"۔ صحیح ہے۔

(۲) جس شخص نے حدیث کا ترجمہ کیا ہے انہوں نے ترجمے میں کئی غلطیاں کی ہیں اور کئی ایسے اضافے کیے ہیں جو کہ ان کتابوں میں نہیں ہیں جن کا حوالہ انہوں نے مضمون کے آخر میں دیا تھا۔ میں نے حدیث کا متن پیش کر دیا ہے، آپ ان کے ترجمے کو اس سے ملائیں گے تو ان کی غلطیوں اور اضافوں کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۳) مضمون کے آخر میں لکھا ہوا ہے: "(رواہ الطبرانی و البیہقی دیکھئے: تفسیر قوطی)" اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔

راقم باوجود عرض کرتا ہے کہ مذکورہ طریقہ سے جب کسی حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے تو اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المعجم الکبیر" میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "السنن الکبریٰ" میں نقل کیا ہے۔ اور عبید بن خلیصہ کی روایت نہ تو امام الکبیر میں ہے، نہ ہی السنن الکبریٰ میں ہے لہذا عبید کی روایت کا حوالہ مذکورہ طریقہ سے دینا صحیح نہیں صحیح طریقہ یہ ہے: "رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر و البیہقی فی الدلائل"۔

بن شعیب رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: "أَنَّ زَجْرًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي مَالًا وَوَلَدًا، وَإِنَّ الْيَدِي (يُرِيدُ أَنْ) يَخْتَنَحَ مَالِي؟ قَالَ: أَأَنْتَ وَمَا لَكَ لَوْ الْبَدَّ، إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ، فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ"۔ (سنن أبی داود بتحقيق الارنؤوط ورفقائه: ۳۹۰/۵، ج: ۳۵۳، وقال المحقق: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن وهو كما قال وأما الزيادة فلمسند الامام احمد بن حنبل بتحقيق الارنؤوط ورفقائه: ۲۶۱/۱، ج: ۶۷۸) "ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس مال ہے اور اولاد بھی ہیں اور میرے والد میرا سارا مال لینا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے، بے شک تمہاری اولاد میں تمہاری بہترین کمائی ہیں لہذا تم اپنی اولادوں کی کمائی سے کھا سکتے ہو۔"

**اب چند باتیں بطور فائدہ پیش خدمت ہیں:**

(۱) امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی النبی رحمہ اللہ (اتوفی: ۳۵۳ھ) مذکورہ حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "أَنَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَجْرَ عَنْ مَعَالِيهِ أَهْلًا بِمَا يَعْمَلُ بِهِ الْأَجَنِبِيُّ، وَأَمْرٌ بِهِ وَالْوَثِقُ بِهِ فِي الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ مَعًا إِلَى أَنْ يَصِلَ إِلَيْهِ عَالَمُهُ فَقَالَ لَذ: أَأَنْتَ وَمَا لَكَ لِأَهْلِكَ، لَا أَنْ مَالِ الْإِبْنِ يَمْلِكُهُ الْأَبُ فِي حَيَاتِهِ عَنْ غَيْرِ طَيْبِ نَفْسٍ مِنَ الْإِبْنِ بِهِ"۔ (صحيح ابن حبان بتحقيق الارنؤوط: ۱۴۳/۲، ج: ۱۰، و ۵۱۰/۱، ج: ۳۲۶) "نبی کریم ﷺ نے سائل کے اس سلوک پر سرزنش کی جو اس نے اپنے والد کے ساتھ کیا تھا اور اس نے اپنے والد کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا جیسا کہ اجنبی لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور آپ نے اس کو بھلائی کرنے اور قول و فعل دونوں کے ذریعہ زمری کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ اس کا مال اس کے والد کو پہنچ جائے اور فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے والد کا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپ بیٹے کی زندگی میں اس کے مال کا مالک ہے مگر یہ کہ بیٹا اپنی خوشی سے کسی چیز کا مالک بنا دے۔"

تفصیل کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: "أَنْتَ وَمَا لَكَ لِأَهْلِكَ" کا معنی مفہوم۔

(۲) مذکورہ روایت دس (۱۰) صحابہ کرام سے مروی

# امن و سلامتی کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار

شعیب احمد عبدالکلیم الغوزی المدنی

## حدیث نبوی: ایک تعارف:

لفظ ”حدیث“ کا عربی زبان میں وہی مفہوم ہے جو ہم اردو زبان میں بات چیت، گفتگو اور کلام سے مراد لیتے ہیں چونکہ نبی ﷺ گفتگو اور بات چیت کے ذریعہ پیام الہی کو لوگوں تک پہنچاتے اور اپنی تقریر و بیان سے کتاب اللہ کی شرح کرتے اور خود اس پر عمل کر کے اس کو دکھاتے تھے اسی طرح جو چیزیں آپ کے سامنے ہو تھیں اور آپ ان کو دیکھ کر یا سن کر خاموش رہتے یا خوشی کا اظہار فرماتے تو اسے بھی جزو دین سمجھا جاتا تھا کہ وہ چیز اگر منشاء دین کے منافی ہوتی تو آپ یقیناً ان کی اصلاح فرماتے یا منع کر دیتے اس طرح ان سب کے مجموعہ کا نام ”حدیث“ قرار پایا۔

آئیے ہم بطور ذیل میں حدیث نبوی کی مذکورہ تینوں قسموں کو مثال کے ساتھ درج فرماتے ہیں تاکہ دعویٰ دلیل کے ساتھ واضح ہو جائے۔

۱۔ حدیث قولی: یعنی رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی جیسا کہ (صحیح مسلم: کتاب الاشریۃ: باب آداب الطعام والشراب: حدیث نمبر: ۵۲۵۹) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان الشیطان یستحل الطعام ان لایذکر اسم اللہ علیہ“ ”کہ شیطان اس کھانے کو حلال سمجھ لیتا ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔“ یہ آپ ﷺ کا ایک قول ہے۔

۲۔ حدیث فعلی: یعنی رسول اللہ ﷺ کا کردار جو آپ نے عملی طور پر امت کے سامنے پیش کیا، جیسا کہ: (سنن ابوداؤد: کتاب الصلاۃ: باب تسویۃ الصفوف: ۶۱۵) میں ہے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”کان رسول اللہ ﷺ یسوی صفوفنا اذا قمنا للصلاۃ فاذا استوینا کبر۔“

”کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں درست کراتے جب ہم

## تصنیع

☆ حدیث نبوی۔ ایک تعارف

☆ حدیث نبوی کی دینی حیثیت

☆ امن و سلامتی کی اہمیت

☆ امن و سلامتی کے دو مختلف پہلو

☆ انفرادی امن و سکون کے فروغ میں حدیث کا کردار

☆ اجتماعی و سماجی امن کے فروغ میں حدیث کا کردار

و سن اسلام اللہ رب العالمین کا آخری اور مکمل دین ہے جو قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے ذریعہ نجات ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹)

”بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔“

نیز دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی واضح انداز میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

”جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔“

رب ذوالجلال نے اہل اسلام کے لئے ضابطہ حیات کی شکل میں اپنی آخری اور مکمل کتاب قرآن مجید، نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی اور آپ کو اس کا مبلغ و معلم بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ نے اس کتاب مقدس کو اول سے آخر تک لوگوں کو سنایا، لکھوایا، یاد کرایا اور بخوبی سمجھایا بلکہ خود اس کے جملہ احکامات و تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امت کو دکھایا۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ قرآن مجید کی قوی و عملی تفسیر ہے آپ کے ان ہی اقوال، اعمال اور احوال کا نام حدیث ہے، تو آئیے اب ہم قدرے تفصیل سے حدیث نبوی ﷺ کا تعارف کراتے ہیں۔

فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَزْرًا مِّمَّا قُتِلَتْ وَيَسْلُبُوْا اَنْفُسَيْهِمْ﴾ (النساء: ۶۵/۴)

”کہ قسم ہے تیرے رب کی یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔“

۵۔ آپ کی ذات و صفات میں ہر مومن کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اَسْوَفَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱/۳۳)

”یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔“

۶۔ آپ جو کچھ دیں اس کو لینا اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز رہنا ضروری ہے کہ یہی منشاء ربانی ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۵۹/۷)

”اور رسول جو کچھ تمہیں دیں لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔“

۷۔ آپ کی اتباع سب پر فرض ہے۔ کہ فرمان الہی ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يَحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱/۱۳)

”آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا۔“

۸۔ آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (محمد: ۳۴/۳۳)

”کہ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو۔“

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے جو چیزیں بیان فرمائیں، کتاب و حکمت کی تعلیم کے ذیل میں جو کچھ ارشاد فرمایا، جن چیزوں کو حلال اور جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا، باہمی معاملات و قضایا میں جو فیصلے فرمائے تازعات و خصوصیات کو جس طرح چکایا ان سب کی حیثیت دینی اور تشریفی ہے بلکہ آپ کی پوری زندگی امت کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے۔ جس کی پیروی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے آپ کی اطاعت برائی پر فرض ہے جو آپ حکم دیں اس کو بجالانا اور جس سے منع کریں اس سے رک جانا ہر مومن کے لئے لازم اور ضروری ہے مختصر یہ کہ آپ کی اطاعت ہی درحقیقت رب

نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور جب ہم برابر کھڑے ہو جاتے تو آپ اللہ اکبر کہتے۔“ یہ آپ کا بحیثیت امام ایک عمل ہے جو امتیوں نے دیکھا۔

۳۔ حدیث تقریری: یعنی رسول اکرم ﷺ کی موجودگی میں جو کام کیا گیا ہو اور آپ نے خاموشی اختیار فرمائی ہو یا اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہو تو اسے حدیث تقریری کہتے ہیں۔ جیسا کہ: (سنن ابوداؤد: ج: ۱۲۶۷) میں ہے قیس بن عمرو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ: ”صلاة الصبح ركعتان۔“

”فجر کی نماز فرض تو صرف دو رکعت ہے۔“

یہ سن کر صحابی نے عرض کیا کہ میں نماز فرض سے پہلے کی دو سنتیں نہیں پڑھ سکا تھا تو اب ادا کی ہیں رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے یعنی آپ نے اس کی اجازت دے دی۔

### حیث نبوی کی دینی حیثیت:

حدیث رسول کا دین میں کیا درجہ ہے اس کو ذہن نشین کرنے کے لئے نبی ﷺ کی چند حیثیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن کو قرآن پاک نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

۱۔ آپ کی ایک حیثیت یہ ہے کہ آپ مبلغ دین ہیں۔ ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ (سورہ صافہ: ۱۷۷/۶)

”کہ اے رسول پہنچا دیجئے جو کچھ اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے۔“

۲۔ آپ مراد الہی کی وضاحت کرنے والے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ۱۶/۳۳)

”اور آپ پر ہم نے ذکر اتارا تاکہ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کر دیں۔“

۳۔ تحریم و تحلیل (حلال و حرام کرنا) آپ کے منصب میں داخل تھا فرمان الہی ہے: ﴿وَيُجَلِّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷/۷)

”اور وہ لوگوں کے لئے پاک چیزیں حلال کرتے اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں۔“

آپ امت کے تمام دینی معاملات میں قاضی اور حکم ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿فَلَا وَزِيْكَ لَا يُوْمِنُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ



الدنیا بحذا فیہا“۔ (رواہ البخاری فی الادب المفرد: برقم: ۳۰)

”کہ تم میں سے جو صحیح کرے اس حال میں کہ وہ اپنے راستے میں مامون و محفوظ ہو جسمانی طور پر صحیح سالم ہو اور اس حال میں کہ اس کے پاس اس کے ایک دن کی روزی ہو تو گو یا دنیا اسے اپنے تمام اسباب کے ساتھ مل گئی۔“

مذکورہ حدیث میں ”امن و سلامتی“ کی اہمیت دو دو چار کی طرح بالکل عیاں ہے اس کے باوجود پیغمبر انسانیت، نبی رحمت اور آپ کے لئے ہوئے دین کو انتشار و بدمعنی پھیلانے کا ذمہ دار سمجھا جائے یہ کتنی بڑی نا انصافی اور کیسا کھلا بہتان ہے! آئیے اگلی طور میں ہم یہ کیسے جازہ لیتے ہیں کہ انفرادی یا اجتماعی سطح پر امن و سلامتی کی بحالی کے لئے حدیث نبوی نے کیا کردار نبھایا ہے۔

### امن و سلامتی کے دو مختلف پہلو:

یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ امن و سلامتی جس طرح انسانی جسم اور انسانی روح کا تقاضہ ہے اسی طرح سماج و معاشرہ کے لئے بھی ”امن و سکون“ ناگزیر ہے گو یا انفرادی سطح پر جس قدر امن کی ضرورت ہے اسی طرح اجتماعی طور پر بھی امن و چین کا وجود بہت اہم ہے۔

حدیث نبوی نے انفرادی و داخلی امن کی بحالی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و سماجی امن کا ایجنڈا بھی پیش کیا ہے بطور ذیل میں ہم دونوں پہلوؤں پر امن و سکون کی بحالی کے لئے حدیث نبوی کا جو رول رہا ہے اس پر گفتگو کریں گے۔

### انفرادی (داخلی) امن و سکون کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار:

کسی بھی سماج کے لئے اس کے افراد کا داخلی و انفرادی امن و سکون بالکل اسی قدر اہم ہے جس طرح کسی مضبوط دیوار کے لئے اس کی اینٹوں اور دیگر میٹریل کا پختہ ہونا ضروری ہے کہ دیوار کی مضبوطی کا دار و مدار اینٹوں کی مضبوطی پر ہے اسی طرح سماجی امن کا تصور بھی افراد کے داخلی سکون و اطمینان کے بغیر نہیں کیا جاسکتا کہ تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں کہ بسا اوقات بعض افراد کے داخلی انتشار و فساد کی وجہ سے عظیم خونریزیاں ہوئیں اور امن عالم تہہ بالا ہو گیا بلا کو، چنگیز خاں، موسیقی اور ہٹلر کی شخصیات کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ان کے نہاں خانہ دل میں جذبات و احساسات کا خلل نیز

العالمین کی اطاعت ہے قرآن کریم میں بصراحت موجود ہے: ﴿عَنْ يَطْعُ الزَّوْجُ لَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۸۰۳) ”کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔“

اب ظاہر ہے کہ وضو، غسل، روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج، دعا و ذکر الہی، نکاح و طلاق، قضا یا خصومات، سیاست و معاشرت، الغرض جملہ احکام دین کے متعلق آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ لیکن ان کی تشریح، ان کے جزئیات کی تفصیل اور ان کی عملی تشکیل نبی کے اقوال و اعمال اور آپ کے احوال میں موجود ہے اس لئے اللہ کی اطاعت رسول اللہ کی اطاعت و اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔

حدیث نبوی ﷺ کی اہمیت و وجیت اور قدرے تفصیلی بیان و تعارف کے بعد ہم بتانا چاہیں گے کہ امن و سلامتی کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار کیا ہے لیکن کردار کا تذکرہ کرنے سے پہلے ”امن و سلامتی کی اہمیت“ جان لی جائے تو بہتر ہو گا۔

### امن و سلامتی کی اہمیت:

کسی بھی انسانی سماج و معاشرہ کے لئے امن و سلامتی کا وجود ایک ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر نہ تو لوگوں کے دنیاوی مقاصد پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی تجارت و کاروبار اور دیگر منافع کا تحفظ ممکن ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے انسانی معاشرہ کا ہر فرد خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، تسلیم کرتا ہے۔

چنانچہ امن و سلامتی کا قیام اسلام کا ایک ایسا بنیادی مقصد ہے کہ جو اگر پورا نہ ہو اور سماج انتشار و بدمعنی کی نذر ہو جائے تو پھر تعین اسلام پر فرض نماز جیسا اہم رکن بھی باجماعت ادا کرنا فرض نہیں رہ جاتا بلکہ ہفتہ کی عید جمعہ کی بابت بھی رخصت ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں جمعہ کی بجائے نماز ظہر ادا کر لی جائے۔

اسی طرح فریضہ حج، جو اسلام کا نہ صرف ایک رکن بلکہ عظیم شعار اسلام میں سے ہے اگر کسی صاحب ایمان پر فرض ہو جائے اس طور پر کہ وہ صحت مند اور جانکاد و پراپرٹی والا ہو لیکن اس کا راستہ پر امن اور محفوظ نہ ہو، بلکہ ہر طرف بدمعنی پھیلی ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ سرج میں اپنے نفس پر خطرات محسوس کر رہا ہو تو پھر حج کی فریضت اس سے ساقط ہو جاتی ہے۔

امن و سلامتی کی اسی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے حسن انسانیت ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: ”من أصبح منكم امنافي سر به معافي في جسده عنده قوت يومه فكانما حيزت له

لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔“

قرآن کریم نے اسی عقیدے کو بڑے ہی مؤثر پیرائے میں بیان فرمایا ہے یہ سوال اٹھاتے ہوئے کہ:

﴿فَأَيُّ الْقَائِلِينَ آخِئٌ بِالْأَمْنِ إِنَّ كُنُتُمْ تَعْلَمُونَ، الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُنْجُونَ﴾ (الانعام: ۸۱-۸۲)

”دو فریقوں میں سے امن کا حقدار کون ہے اگر تم خبر رکھتے ہو وہی لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا انہیں کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔“

مختصر یہ کہ انسان کے داخلی امن و اطمینان کا سب سے اہم ذریعہ ہے ”ایمان باللہ“

انفرادی اور داخلی امن و سکون کو پائیدار و مستحکم بنانے کا دوسرا اہم ذریعہ ہے ”ایمان بالآخرہ“ جسے عقیدہ آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ عقیدہ انسان کے اندر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، حساب و کتاب دینے اور اپنے اعمال و کثرت کے مطابق جزا و سزا پانے کے تصور کو جنم دیتا ہے اور اس طرح انسان کے ظلم و سرکشی کی راہ میں ”عقیدہ آخرت“ ایک بڑا اہیر بر بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ صرف اپنے جائز حقوق پر قناعت کرے اور حدود اسلام کا پابند رہے۔

گویا ایک انسان کو حد سے تجاوز اور ظلم و سرکشی سے باز رکھنے والی دوسری سب سے بڑی طاقت ہے ”آخرت پر ایمان“ جس کا تصور حدیث نبوی نے بڑے ہی صریح لفظوں میں پیش کیا ہے کہ:

”والایمان : ان تو من باللہ وملائکتہ و کتبہ و رسلہ والیومہ الآخر وبالقدر خیرہ و شرہ۔“

”ایمان تو دراصل اللہ پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر یقین کرنے کا نام ہے۔“

اسی عقیدہ آخرت کا تصور قرآن نے بے شمار آیات میں پیش کیا ہے سورہ قلم میں اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿كَلَّمَآ إِنِّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَکْفٍ، أَن زَآءَا سْتَعْتَبَى، إِنِّ إِلَى رَبِّکَ الزُّجْجَى﴾ (العلق: ۸-۱۰)

”کچھ نہیں انسان سرکشی پر آمادہ ہو ہی جاتا ہے کہ وہ پاتا ہے اپنے تئیں آزاد (لیکن اسے لازماً) تیرے پروردگار کے پاس

ان کے ذہنی و قلبی انتشار و ہرجائی میں کائنات ارضی سے چین و سکون غارت ہوا اور بے پناہ قتل و خون کا بازار گرم ہوا۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مذہب اسلام تمام دنیاوی مذاہب کے درمیان ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے کہ اسلام کی بنیاد جن اعتقادات پر قائم ہے ان کا مجموعی نام ہی ایمان ہے جو ”امن“ سے ماخوذ ہے اور جس کا حاصل وہ سکون و اطمینان ہے جو ایمان کی بدولت انسان کے قلب و ذہن میں پھپھتا ہے۔

چنانچہ ”حدیث رسول“ نے انسان کے نہاں خانے میں امن و اطمینان کو برپا کرنے کے لئے جو نسخہ بتلایا ہے اس کی پہلی کڑی ہے ”ایمان باللہ“ جس کا مطلب ہے اللہ کو ایک جاننا اور اس کی ذات، اس کے اسماء و صفات اور اس کے افعال و اعمال میں اسے یکتا و بے مثل تسلیم کرنا نیز معاملات و دنیا میں جائز اسباب و وسائل کو اپناتے ہوئے اسی وحدہ لا شریک پر عمل اعتماد و بھروسہ کرنا کہ وہی وہ ذات ہے جو کسی کو دنیا بچا ہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور کسی سے روک لے تو کوئی دینے والا نہیں، یہی وہ عقیدہ ہے جو بندے اور اس کے خالق و مالک کے درمیان ایک ایسے مضبوط تعلق کو جنم دیتا ہے جس سے انسان کو حقیقی امن و راحت میسر آتی ہے اور جس کے نتیجے میں انسان کے قلب و دماغ میں فرحت و انبساط اور مسرت و شادمانی کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے وہ محسوس تو کر سکتا ہے بیان میں نہیں لاسکتا۔

جامع ترمذی کی ایک حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گدھے پر نبی ﷺ کے پیچھے سوار تھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ”يَا غُلَامُ إِنِّي أَعَلَيْكَ كَلِمَاتٌ، احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ، قَدْ كَتَبَ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ، قَدْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكَ، زُفَعَبَ الْأَقْلَامِ وَجَفَّتِ الصُّخُفُ“ (رواہ

ترمذی فی ابواب الزہد: برقم: ۲۵۱۶)

”تم اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا تم اللہ کو یاد رکھو تم اسے اپنے رب و رو (اپنا مددگار) پاؤ گے۔ جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو، مدد مطلوب ہو تو صرف اللہ سے چاہو، اور یاد رکھو! دنیا کے سارے لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سارے

کے لئے نہ صرف باعث امتیاز بلکہ باعث افتخار بھی ہے۔

اسی طرح فروغ امن کے تین حدیث نبوی کا ایک روشن باب یہ بھی ہے کہ اس نے باہمی محبت و ہمدردی اور آپسی بھائی چارہ کا ایسا عالمی ایجنڈا پیش کیا ہے جس کے مطابق دنیا کے سارے لوگ ایک ہی کنبہ اور خاندان نظر آتے ہیں جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایام تشریق کے دوران خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ زَنْجَكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَرْبَابَكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَطْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرٌ عَلَى أَسْوَدٍ، وَلَا أَسْوَدٌ عَلَى أَحْمَرٍ، إِلَّا بِالْفَتْوَى“ (مسند احمد: ۴۱۱/۵)

”اے لوگو! سن لو! تمہارا رب یقیناً ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک۔ اور سن لو! کسی عرب کو کسی غیر عرب پر کوئی فضیلت نہیں اسی طرح کسی غیر عرب کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ نہ ہی کسی سرخ (گورے) کو کسی کالے پر اور نہ کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ ہاں مگر فتویٰ پر ہییز نگاری کی بنیاد پر۔“

حدیث بالا کی رو سے دنیا کے سبھی انسان خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے، عرب کے ہوں یا عجم کے، کالے ہوں یا گورے، متدین ہوں یا غیر متدین، مرد ہوں یا عورت، کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں کسی بھی نظریہ پر اور عقیدہ کے حامل ہوں کسی بھی شکل و صورت کے مالک ہوں اور کوئی سی بھی زبان بولتے ہوں سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے رشتے سے اسلام کی نظر میں ایک ہی خاندان ہیں ان میں بحیثیت انسان کوئی اونچ نیچ اور بھید بھلاؤ نہیں تاہم دنیا کی دیگر اقوام اور دھرموں کا جائزہ لیجئے تو ان میں کہیں کا سٹ سٹسم، تو کہیں کالے گورے کا فرق نمایاں طور پر نظر آئے گا۔

تو یہ ہے حدیث نبوی کی تعلیم اور اس کا پر امن ایجنڈا جو عرب و عجم کے نام پر کسی بھی تفریق کا ردوار نہیں اور کالے گورے کی بنیاد پر کسی بھید بھلاؤ کا قائل نہیں اب ایسا دھرم اگر امن و شanti کا علمبردار نہ ہو تو پھر کون ہو سکتا ہے!!!

اور دوسری جانب نظر ڈالئے تو حدیث رسول نے ایسے تمام یہودہ اخلاق و عادات اور چال چلن جو باطنی امن و سکون میں رخنہ انداز ہو سکتے تھے نیز اتفاق و اتحاد کی بجائے اختلاف و انتشار اور محبت و الفت کی بجائے نفرت و عداوت کی فضا بنا سکتے تھے ان تمام پر قدغن لگا دی اور انہیں ممنوع و حرام قرار دیا۔

هَذَا مَا بَدَأَ اللَّهُ عَلِيمًا بِالصَّوَابِ

لوٹ کر جانا ہے۔“

خلاصہ یہ کہ ”امن و سلامتی“ اگر قائم ہو سکتی ہے تو صرف ایمان کی بنیادوں پر۔ علاوہ ازیں امن و سلامتی کی کوئی بھی اسکیم جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت سے خالی ہو قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتی۔

## سماجی اور اجتماعی امن کے فروغ میں حدیث نبوی کا کردار:

اجتماعی و سماجی امن و سلامتی کے لئے بھی حدیث نبوی نے ایک عمدہ قابل عمل ایجنڈا پیش کیا ہے سب سے پہلے افراد معاشرہ پر زور دیا ان کی تربیت کرتے ہوئے ان کے قلوب و اذہان میں عقیدہ کو حید اور عقیدہ آخرت کی آبیاری کر کے انہیں امن و امان کی ڈگر پر لگادیا اور تاکا کہ وہ اس راہ پر ثابت قدم رہیں اور سماجی امن و سلامتی کو فروغ حاصل ہوا نہیں ”تھکاو و تھانوا“ کے معاشرتی اصول کا پابند بنایا۔

اسی طرح امن و امان کی پائیداری کے لئے حدیث نبوی نے امن کے متلاشیوں کو ایک ہدایت یہ بھی دی کہ تمہارے معاملات خواہ وہ نجی ہوں یا سماجی ”الْحَبْطُ فِي اللَّهِ“ کی بنیاد پر استوار ہوں اور ان میں مطلب پرستی کا شائبہ نہ ہو اور ”الْحَبْطُ فِي اللَّهِ“ کی فضا قائم کرنے کے لئے ایک نسخہ کیا بصورت دعا مہیا فرمایا جسے ہم ”دعائے سلامتی“ یعنی ”السلام علیکم“ کہتے ہیں جو بظاہر دو کلمات کا مجموعہ ہے پر دلوں کو جوڑنے میں بحیثیت کسیر ہے۔

اس حقیقت کو معلم امت ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے جسے امام مسلم نے اپنی ”صحیح مسلم، کتاب الایمان“ میں درج فرمایا ہے کہ:

”لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تَقُولُوا، وَلَا تَخْرُجُوا حَتَّى تَحْتَابُوا، أَوْ لَا أَذْذُكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمْ وَتَحَابَبْتُمْ؟ أَفَشَوْا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ“ (رواہ مسلم)

”تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک ایمان نہ لاؤ اور تم ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک باہم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو تو کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں جس سے تمہارے مابین محبت پیدا ہو جائے (وہ یہ ہے کہ) اپنے مابین سلام کو خوب پھیلاؤ۔“ (رواہ مسلم فی کتاب الایمان عن اسی ہریرہ: ۱۹۳)

چنانچہ یہ کہنا بالکل مبالغہ نہیں کہ آج معاشرہ میں سب سے زیادہ کبی اور سنی جانے والی دعا باہم سلامتی کی دعا ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ ”السلام علیکم“ کا یہ جملہ ان شعائر اسلام میں سے ہے جو اہل ایمان



# طلاق کے چند مسائل

ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی حفظہ اللہ (رکن فقہ اکیڈمی، مکہ مکرمہ و استاد جامعہ محمدیہ منصورہ دارالکلاں)

## جبر و اکراہ سے لی گئی طلاق کا حکم:

سوال: زید کے والد نے اپنے رفقا کی معیت میں جبراً زید سے طلاق نامہ پر دستخط کروائے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ زید نے طلاق کے کلمات اپنی زبان سے ادا نہیں کئے بلکہ اس کو طلاق نامہ پڑھ کر سنایا گیا جس میں ایک مجلس میں تین بار طلاق دیا میں نے درج ہے۔

اب وہ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے طلاق نامہ کی تاریخ محرم الحرام ہے۔

جناب والا سے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں۔

جواب: بشرط صحت سوال اگر واقعی زید کے والد نے اپنے رفقا کی معیت میں زید سے طلاق نامہ پر دستخط و جبر و اکراہ کروائے ہیں تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ طلاق مکروہ واقع نہیں ہوتی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے: "إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنِ أَمْتِي الْخَطَأَ، وَالْيَسِيَانَ، وَمَا اسْتَكْبَرُوا عَلَيْهِ" (رواہ ابی ماجہ فی

سننہ: ۲۰۴۳)، والحقاوی فی شرح معانی الآثار: ۳۲۹، والحاکم فی المستدرک: ۲۸۰، والدارقطنی فی سننہ: ۳۵۱، وابن حبان فی صحیحہ: ۲۱۹، ورجالہ ثقات، وسندہ قوی، وحسنہ النووی، وقال الألبانی: صحیح ارواء الغلیل: (۱۳/۱، ج: ۸۲) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، بھول چوک اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو معاف کر دیا ہے۔

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اگر جبر و اکراہ کی وجہ سے کوئی کلمہ کفر کہہ دے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور اس کی وجہ سے اسے کافر نہیں سمجھا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: ﴿

لَا يَلَايَمَانِ﴾ (النحل: ۱۰۶) اسی طرح جو شخص کسی کے جبر و اکراہ کی وجہ سے طلاق نامہ پر دستخط کر دے اس کی طلاق کا بھی اعتبار نہیں ہوگا۔

فتہ خفی میں بھی مکروہ سے جبراً طلاق نامہ لکھوا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک وہ زبان سے ادا نہیں کرے "وَيَقَعُ طَلَاَقُ كُلِّ زَوْجٍ عَاقِلٍ بَالِغٍ، وَلَوْ مَكْرَهًا، كَذَا فِي الدَّقَائِقِ (ص: ۲۶۹)، وَيَقَعُ طَلَاَقُ كُلِّ زَوْجٍ بَالِغٍ عَاقِلٍ، وَلَوْ تَقْدِيرًا، وَلَوْ غِبْدًا أَوْ مَكْرَهًا فَإِنَّ طَلَاَقَهُ صَحِيحٌ لَا إِفْرَازَ بِالطَّلَاقِ، كَذَا فِي تَنْبِيهِ الْإِبْصَارِ وَالِدَرْ الْمُخْتَارِ (ص: ۲۰۶): فَلَوْ أَكْرَهَ عَلَى أَنْ يَكْتُبَ طَلَاَقَ امْرَأَتِهِ فَكُتِبَ لَا تَطْلُقُ، لِأَنَّ الْكِتَابَةَ أَقِيمَتْ مَقَامَ الْعِبَارَةِ بِاعْتِبَارِ الْحَاجَةِ وَلَا حَاجَةَ هُنَا، كَذَا فِي الْخَانِجِيَّةِ (الْبَحْرُ الرَّائِقُ شَرْحُ كَنْزِ الدَّقَائِقِ: ۲۶۳/۳)... وَهَكَذَا فِي الطَّحَاوِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ كُتُبِ الْفَقْهَةِ"

## اگر غصہ میں بلا نیت زبان سے طلاق کا

### لفظ نکل گیا:

سوال: میرے اور میری بیوی کے درمیان گھریلو معاملے میں جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے میں نے غصہ کی حالت میں تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا، کیا اس طرح کہنے سے طلاق ہوگئی؟ جبکہ ہمارے چھ بچے ہیں اور میں سنجیدہ ہونے کے بعد اس پر تادم ہوں۔

آپ مسئلہ مذکورہ کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دیکر عند اللہ مابور ہوں۔

جواب: بشرط صحت سوال اگر آپ کی نیت طلاق کی مطلق نہیں تھی لیکن شدت غضب میں بے اختیار آپ کی زبان سے

تھا چھوڑ دے کا لفظ سنتے ہی میرے دماغ نے کام نہیں کیا میرا بھائی چھوڑ دے چھوڑ دے کہتا رہا اور میں نے غصہ میں آ کر طلاق، طلاق، طلاق صرف اتنا کہا اور باہر نکل گیا اس کے بعد دو مہینے سے میری بیوی اس کی ماں کے پاس رہتی ہے اور چھ مہینے میرے پاس رہ رہے ہیں۔

آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ مجھے اطمینان بخش جواب دیں تاکہ میں اپنی ازدواجی زندگی پھر سے شروع کروں بہت بہت مہربانی ہوگی۔

جواب: اگر غصہ کی وجہ سے آپ کی حالت ایسی تھی، کہ بلا قصد و ارادہ کہہ دی آپ کی زبان سے طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ نکل گئے ہوں اور آپ کی نیت طلاق دینے کی قطعاً نہیں تھی تو ایسی صورت میں جیسے بچوں اور ناقص العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح آپ کی طلاق واقع نہیں ہوئی، اور آپ کا طلاق، طلاق، طلاق کہنا لغو ہوا، اور اگر غصہ کے باوجود آپ نے طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ اپنی زبان سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے ادا کئے ہیں تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی، کیونکہ آپ نے اگرچہ بیوی کا نام لے کر یا اس کو خطاب کر کے ”تم کو طلاق دیا“ نہیں کہا ہے، مگر میاں بیوی کا جھگڑا، پھر آپ کے بھائی کا یہ کہنا کہ اس کو اس کی ماں کے یہاں چھوڑ دے اس کے بعد آپ کا طلاق، طلاق، طلاق کہنا یہ سب قرینے ہیں اس بات کے لئے کہ اس سے آپ کا مقصد اس بیوی کو طلاق دینا ہی تھا، البتہ چونکہ تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں ہوئی اس واسطے یہ شرعاً ایک طلاق رجعی مانی جائے گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے عہد مبارک میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

اور اگر اس سے قبل آپ نے اس عورت کو دوسرا معتبر طلاق نہیں دی ہے تو عدت میں اس سے رجوع کر سکتے ہیں، اور عدت گزرنے کے بعد از سر نو عقد نکاح کر کے اپنی زوجیت میں لا سکتے ہیں اور اگر اس سے قبل دوسرا معتبر طلاق دی ہے، اور یہ تیسری طلاق ہے تو اب یہ عورت آپ کے لئے

طلاق، طلاق، طلاق نکل گیا تو ایسی صورت میں آپ کا یہ جملہ لغو شمار ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوئی ارشاد نبوی ہے: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى“ (صحیح البخاری: ۶/۱، ح: ۱۰، صحیح مسلم: ۱۵۱۵۳، ح: ۱۹۰۷) اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے غصہ میں کہا طلاق اور بیوی اور اس کا نام ذکر نہیں کیا تو آپ نے جواب دیا: ”إِنْ لَمْ يَفْصِدْ بِذَلِكَ تَطْلِيقَهَا لَمْ يَفْعَلْ بِهَذَا اللَّفْظِ طَلَاقًا“

اور اگر طلاق، طلاق، طلاق کہنے سے آپ کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی تھی جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو طلاق واقع ہوگی، کیونکہ جب غصہ میں جھگڑا کرتے ہوئے آپ نے طلاق، طلاق، طلاق کہا تو اگرچہ بیوی کا نام نہیں لیا یا ”تم کو طلاق دیا“ اس کو طلاق“ نہیں کہا، مگر قرینے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے اپنی بیوی سے جھگڑا کیا، اس پر ناراض ہوئے تو اس وقت آپ نے طلاق دی وہ بھی اسی کو دی کسی دوسرے کی بیوی کو نہیں۔

البتہ اگر آپ نے یہ الفاظ ایک مجلس میں کہے ہیں تو ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

اور ایسی صورت میں اگر عدت ختم نہ ہوئی ہو تو آپ رجوع کر سکتے ہیں نیا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر عدت ختم ہو گئی ہے تو بیوی اور اس کے ولی کی رضامندی سے مہر جدید کے ساتھ اس سے از سر نو نکاح کرنا پڑے گا۔

**غصہ میں جھگڑتے ہوئے صرف طلاق، طلاق کہنے کا حکم:**

سوال: عرض ہے کہ دو مہینے قبل میری بیوی کے ساتھ میرا جھگڑا ہوا، ہنگام کے دوران میرا بڑا بھائی فیض محمد آکر بولا، تم لوگ لڑائی جھگڑا کر رہے ہو اگر یہ عورت تمہاری بات نہیں مانتی چھ بچوں کی ماں ہے پھر بھی من مانی کرتی ہے تو اس کو تم اس کی ماں کے یہاں پہنچا دو میں غصہ کی وجہ سے جنون کی حالت میں

شرعی طلاق نہیں دی ہے تو عدت میں رجوع کر سکتے ہیں، اور عدت گزرنے کے بعد از سر نو عقد نکاح کرنا پڑے گا۔

**سوال:** زید جب پکارتا ہے تو رک رک کر پکارتا ہے (پکارتا ہے) ایک روز گھر آیا تو گھر پر اس کی بیوی اور اس کی والدہ میں جھگڑا ہو رہا تھا تو اس نے اس کو خاموش رہنے کے لئے کہا لیکن وہ نہیں مانی تو اس نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو ہاتھوں اور لاتوں سے مارنا شروع کر دیا، نتیجے میں توازن بگڑنے کے بعد خود اس کا سردیوار سے ٹکرا گیا اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھا اور اس پہچانی کیفیت میں اپنی بیوی کو بار بار طلاق دیدوں کا کہا لیکن جب ہوش میں آنے کے بعد اس سے پوچھا گیا تو وہ اپنے اس فعل سے لاعلمی ظاہر کر رہا ہے اس کے اس فعل پر کوئی گواہی بھی نہ مل سکی کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیا۔

اس واقعہ کے بعد محلے کے لوگوں نے معاملے کو بڑھا کر اس مقام تک پہنچا دیا کہ ان کی جدائی تک بات آگئی اور جب اس مجلس میں ساری بات طے کی جارہی تھی تو اس وقت زید کو بلایا گیا اور اس سے یہ کہلوا یا گیا کہ میں نے اپنی بیوی (فرزانہ بنت سید عبدالغفار) کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا، قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلے کے تعلق سے کیا رہنمائی ملتی ہے اس کو تحریر کر کے آپ اللہ کے نزدیک مستحق ثواب نہیں اور ہمیں شکر یہ کا موقع دیں۔

**جواب:** زید نے پہچانی کیفیت میں جب یہ کہا تھا کہ میں اپنی بیوی کو بار بار طلاق دیدوں گا تو اس کی طلاق نہیں ہوئی تھی اس واسطے کہ اولاً تو وہ ہوش و حواس میں نہیں تھا جیسا کہ آگے کے جملے ”جب ہوش میں آنے کے بعد اس سے پوچھا گیا تو وہ اپنے فعل سے لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے“ سے معلوم ہوتا ہے۔

اور ہوش میں نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجنون کے حکم میں ہوا، لہذا جس طرح مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

دوسرے اس نے یہ کہا تھا کہ ”میں اپنی بیوی کو بار بار طلاق دیدوں گا“ یعنی مستقبل میں طلاق دینے کی دھمکی دی تھی اس نے طلاق دی نہیں تھی اور صرف دھمکی سے طلاق واقع نہیں

اس وقت حلال ہوگی جب وہ عدت گزارنے کے بعد کسی شخص سے اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے نکاح کرے، پھر اس کا انتقال ہو جائے یا کسی بنا پر طلاق دے دے اور عدت ختم ہو جائے، عدت ختم ہونے کے بعد آپ از سر نو نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لاسکتے ہیں ورنہ نہیں۔

### حالت غصہ کی طلاق کا حکم:

**سوال:** جمال الدین بن فضل الرحمن کا اپنی بیوی بسم اللہ بنت شیخ واحد سے جھگڑا ہوا، بات بڑھی اور معاملہ گالی گلوچ اور مار پیٹ تک پہنچا اور اسی دوران غصہ کی شدت میں جمال الدین نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا جا میں نے تجھ کو طلاق دیا (تین مرتبہ) پھر کچھ دور جا کر مڑا اور دوبارہ طلاق کا مذکورہ جملہ تین بار کہا۔

واضح رہے کہ جمال الدین کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس طرح طلاق دی صرف اتنا یاد ہے کہ طلاق دیا تھا، البتہ میں موقع و اردات پر موجود تھا اور میرے مشاہدہ کے مطابق صورت حال وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، براہ کرم کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ مذکورہ طلاق کے متعلق شریعت کیا فیصلہ کرتی ہے؟

**جواب:** جمال الدین صاحب کا غصہ شدید ضرور تھا مگر ان کو اتنا یاد ہے کہ میں نے طلاق دی ہے البتہ عدل کا صحیح خیال نہیں ہے، اس واسطے احتیاطان کی طلاق کو ایک طلاق رجعی مان لینا چاہئے، اگر انہیں اس کا بھی ہوش نہ ہوتا تو یقیناً وہ مجنون کے حکم میں ہوتے اور ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی، ان کی ایک مجلس کی ان طلاقوں کو ایک اس واسطے مانا جائے گا کہ یہ بھی بدعتی اور خلاف سنت ہے، اور ایک مجلس کی تین طلاق کے بارے میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اس واسطے ان طلاقوں کو بھی ایک طلاق رجعی ہی مانا جائے گا اور اگر جمال الدین صاحب نے اس سے قبل اس عورت کو دو



شدید رہا ہو کہ اس کے ہوش و حواس درست نہ رہے ہوں، اور اس کی زبان سے کیا نکلا، کچھ اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ ایسی صورت میں مجنون کے حکم میں ہو کہ مرفوع القلم ہوگا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا طَلَاقَ، وَلَا عَتَاقَ فِي غِلَاقٍ"

(الخروجہ ابن ماجہ: ۲۰۳۶، ابوداؤد: ۲۱۹۳، و أحمد: ۲۶۳۶۰، والناسخ: ۲۸۰۴، والبیہقی فی السنن الکبریٰ: ۱۵۰۹۷، وهو حدیث حسن، انظر زاد المعاد: ۲۰۱/۵)

یعنی غصہ کی حالت میں نہ ہی طلاق واقع ہوگی نہ ہی عتاق۔ طلاق کی تعریف کرتے ہوئے ابن القمام احمد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ: "بَغْيِي الْغَضَبِ هَذَا نَصُّ أَحْمَدَ حَكَاةَ عَنْهُ الْخَلَّالُ وَأَبُو بَكْرِ فِي "الشَّافِي" وَ "زَادَ الْمُسَافِرِ". فَهَذَا تَفْسِيرُ أَحْمَدَ. وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ فِي سَنِيهِ: أَطْلَقَهُ الْغَضَبُ" (زاد المعاد: ۱۹۵/۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "وَحَقِيقَةُ الْإِغْلَاقِ أَنْ يَغْلُقَ عَلَى الرَّجُلِ قَلْبُهُ فَلَا يَقْضِدُ الْكَلَامَ أَوْ لَا يَعْلَمُ بِهِ كَأَنَّهُ انْفَلَقَ عَلَيْهِ قَضْدُهُ وَإِذَا ذَٰلِكَ" (المستدرث علی مجموع الفتاوى: ۲/۵)

اور اگر طلاق دیتے وقت اس کا غصہ اس قدر شدید نہ تھا، بلکہ جو کچھ اس نے زبان سے کہا سمجھ کر اور نیت کر کے کہا تو اس کی طلاق واقع ہوگئی۔

البتہ جو اس نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں وہ شرعاً ایک ہی مانی جائے گی، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

نیز انھیں کی دوسری حدیث ہے کہ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے دی پھر بہت غمگین ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم نے کس طرح طلاق دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ایک ہی مجلس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تب تو یہ ایک ہی طلاق

ہوتی، جب تک کہ یہ نہ کہہ دے کہ "میں نے اس کو طلاق دی" یا "میں اس کو طلاق دیتا ہوں" طلاق واقع نہیں ہوگی، بعد میں مجلس میں جن لوگوں نے اس سے یہ کہلایا کہ "میں نے اپنی بیوی بنام فرزانہ بنت سید عبدالغفار کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا" وہ شرعی مسائل سے بالکل ناواقف اور احمق لوگ ہیں، ایسے لوگوں کو ہرگز ایسے مسائل کے حل کے لئے نہیں بلانا چاہئے، بچپن اور فیصلہ کرنے والوں کو شرعی مسائل سے واقف ہونا چاہئے اور اگر واقف نہیں تو کم از کم ان میں اتنی عقل ہوئی چاہئے کہ کوئی کام کرنے اور کرانے سے پہلے اس کے بارے میں علماء سے دریافت کر لیں، وہ معاشرہ کبھی بھی سکون و راحت نہیں پاسکتا جس کے قائدین و شیخ، علماء و عقلا کے بجائے امرا و روساء ہوں۔

ان لوگوں نے زید سے یہ جملہ کہلوا کر اس کو مصیبت میں ڈال دیا ہے، بہر حال ہجر واکراہ اس سے کہلویا گیا ہے اور وہ شرعاً مکروہ تھا تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر اس سے ہجر واکراہ نہیں کہلویا گیا بلکہ ان لوگوں نے اس کو ایسا کہنے کے لئے کہا اور اس پر کوئی سختی نہیں کی مار پیٹ کر نہیں کہلویا پھر بھی اس نے کہہ دیا تو طلاق واقع ہوگئی۔

البتہ یہ ایک طلاق رجعی ہوگی، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۲)

اور اگر اس سے قبل زید نے اس عورت کو دو شرعاً معتبر طلاق نہیں دی ہے تو عدت میں رجوع کر سکتا ہے اور عدت گزارنے کے بعد عقد جدید کر سکتا ہے۔

سوال: اس مسئلہ میں اللہ و رسول کا کیا حکم ہے؟ ازراہ کرم بحوالہ تحریر فرما کر جواب باصواب سے شاد کا م فرمائیں۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو نہایت غضب ناک ہو کر فوراً تین طلاقیں دیں لیکن پھر وہ اپنی بیوی کو لے جانا چاہتا ہے طلاق دے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے، ایسی صورت میں وہ اپنی بیوی کو کس طرح سے اپنے گھر لے جاسکتا ہے۔

جواب: صورت مسئلہ میں اس شخص کو غصہ اگر اس قدر

فرمائیں۔

جواب: زید نے جس وقت اپنی بیوی پروین کو طلاق دی اس وقت اگر اس کا غصہ اس قدر شدید تھا کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو تو وہ مجنون کے حکم میں ہو کر مرفوع القلم شمار کیا جائے گا اور ایسی صورت میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لیکن اگر سخت غصہ ہونے کے باوجود طلاق دیتے وقت وہ ہوش و حواس میں تھا تو اس کی طلاق واقع ہوگی اگرچہ اس کا مقصد اس سے ڈرانا اور دھمکانا تھا۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت کو بھی حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور مذاق کو بھی حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور وہ تینوں چیزیں نکاح، طلاق اور رجعت ہیں۔ (سنن أبی داؤد: ۲۵۹۲/۲، ح: ۲۱۹۳، و حسنہ الالبانی)

اس لئے چاہے سچے دل سے طلاق دی ہو یا ڈرانے کے لئے بہر حال طلاق واقع ہوگئی، البتہ اگر اس نے تینوں طلاق ایک ہی مجلس میں دی ہو تو وہ شرعاً ایک ہی مانی جائے گی کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی مانی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۸۷۴)

اب اگر زید اپنی بیوی پروین سے رجوع کرنا چاہتا ہے اور اس سے قبل اس نے اسے دو معتبر طلاق نہیں دی ہے تو وہ اس سے عدت میں رجوع کر سکتا ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی، پھر وہ بہت زیادہ زنجیدہ و غمگین ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: تم نے اس کو کیسے طلاق دی ہے؟ کہا: تین طلاق ایک مجلس میں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک شمار کی جائے گی، تم چاہو تو اس سے رجوع کرلو، چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ (سنن أبی داؤد: ۲۴۰۶، و حسن اسنادہ الشیخ شعیب الأرنؤوط و سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۱، و مسند احمد: ۲۳۸۷)

ہوئی اگر چاہو تو تم رجوع کرلو، چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔ (سنن أبی داؤد: ۲۴۰۶، و حسن اسنادہ الشیخ شعیب الأرنؤوط و سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۱، و مسند احمد: ۲۳۸۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق فرمان رسول کے مطابق ایک ہی ہوگی اور شوہر چاہے تو عدت میں رجوع کر سکتا ہے، لہذا اس شخص نے اگر اس سے قبل اس عورت کو شرعاً دو معتبر طلاق نہیں دی ہے تو مدت عدت میں رجوع کر سکتا ہے، اور مدت عدت اگر عورت کو حیض آتا ہے تو تین حیض اور اگر غیر بالغ یا بوزہی ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینہ ہے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک ہے اسی مدت کے دوران مرد کو رجعت کا حق حاصل ہے۔

اور اگر عدت ختم ہوگئی ہے تو از سر نو عقد نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے حالانکہ کی ضرورت نہیں اور اگر اس سے قبل دو شرعاً معتبر طلاق دی ہے اور یہ تیسری طلاق ہے تو اب دوبارہ اس وقت اس کو زوجیت میں لاسکتا ہے جب یہ عورت کسی دوسرے مرد سے ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے نکاح کرے (حالات کی نیت سے نہیں) پھر اس مرد کا انتقال ہو جائے یا وہ طلاق دے دے اور پھر عدت ختم ہو جائے، اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں۔

سوال: زید اور زید کی بیوی پروین اور زید کی ساس میں کچھ ان بن ہوگئی زید کی ساس نے اپنے داماد کے لئے کچھ ایسے جملے استعمال کئے کہ زید کو بہت غصہ آ گیا زید نے بھی غصہ میں آ کر اپنی ساس کو کچھ اسی طرح کے جملے کہہ دیئے اور جذبات میں آ کر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، زید کا کہنا ہے کہ میں نے سچے دل سے طلاق نہیں دی ہے اور ابھی میرا دل نہیں مانتا، میں اس کو رکھنے کے لئے تیار ہوں، کیونکہ تنازعہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ڈرانے کے خاطر میں نے تین طلاق دی تھی، بہر حال اب سوال یہ ہے کہ:

- (۱) کیا میری بیوی میرے نکاح میں باقی ہے؟
  - (۲) کیا میری بیوی سے میرا نکاح ٹوٹ گیا ہے؟
  - (۳) اگر نکاح ٹوٹ گیا ہے تو میں اپنی بیوی کو کس طرح رکھ سکتا ہوں؟ اس کی صورت کیا ہوگی؟
- قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب مرحمت

دوسری طلاق ہے۔ تو مدت عدت میں اسے رجعت کا حق حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الطَّلَاقُ مَوْثِقٌ لِّمَا سَنَكُفُّ عَنْكَ بِمَعْذُورٍ وَفَوْقَ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹) یعنی طلاق (جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے) دوسرے (کر کے دو مہینے میں دو طلاقیں) ہیں، پھر اس کے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں، یا تو اچھے طریقے پر روک لینا (یعنی رجوع کر لینا) یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا۔ (ترجمہ ابوالکلام آزاد)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَضْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكُنَّ مِنْ مَّا خَلَقَ اللَّهُ فِيهِ أَزْوَاجَهُنَّ حَتَّى يُؤْمَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ. وَبَعُوْهُنَّ لِنَفْسِهِنَّ أَحَقُّ بِزَوْجِهِنَّ فِي ذَلِكَ أَنْ تَأْذَنَ بِإِصْلَاحِهَا﴾ (البقرة: ۲۲۸) اور مطلقہ عورتیں تین حیض عدت گزاریں اور ان کے لئے حلال نہیں کہ ان کے رموں میں اللہ نے جو پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں، اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہوں، اور ان کے شوہر اس (عدت) میں انہیں واپس کرنے (رجوع کرنے) کے زیادہ حقدار ہیں، اگر ان کا اصلاح کا ارادہ ہو۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور دو طلاق کے بعد عدت میں شوہر رجوع کر سکتا ہے۔

مدت عدت اگر عورت کو حیض آتا ہے، تو تین حیض ہے، اور اگر وہ غیر بالغ یا بوڑھی ہے تو تین مہینے ہیں۔

اور اگر مدت عدت گزر گئی ہے تو از سر نو عقد نکاح کر کے سلام النساء کو اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے، حالانکہ ضرورت نہیں، اور اگر اس سے قبل اس نے دوسرے معتبر طلاق اس بیوی کو دی ہے، تو اب دوبارہ اس وقت اس کو اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے جب یہ عورت دوسرے مرد سے ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے نکاح کر کے (حلال کی نیت سے نہیں) پھر اس مرد کا انتقال ہو جائے، یا وہ طلاق دے دے اور پھر عدت ختم ہو جائے، اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔ حذامی ترجیح عندی واللہ اعلم بالصواب۔

**شدید غصہ کی حالت کی طلاق:**

سوال: میرے فرزند کے ساتھ اس کی دلہن نے شدید

**حالت غضب کی ایک طلاق کے بعد رجعت:**

سوال: آپسی تنازعہ کے سبب شوہر لیاقت حسین اپنی بیوی سلام النساء کو غضب میں آکر ایک مجلس میں طلاق دے چکا ہے، اب شوہر ویوی آپس میں تصفیہ کر کے پھر سے ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے دونوں پریشان ہیں۔ لہذا حضور والا سے مؤدیانہ گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ صادر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

جواب: صورت مسئلہ میں اگر لیاقت حسین کا غصہ طلاق دیتے وقت اس قدر شدید تھا کہ اس کے ہوش و حواس درست نہ رہے ہوں۔ اور اس کی زبان سے کیا نکلا، یہ اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ مجنون کے حکم میں آکر مرفوع القلم ہو جائے گا۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا طَّلَاقَ، وَلَا عَتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ" (اخرجه ابن ماجہ: ۲۰۳۶، ابوداؤد: ۲۱۹۳، أحمد: ۲۲۳۲۰، والحاکم: ۲۸۰۲، والبیہقی: فی السنن الکبری: ۱۵۰۹۷، وهو حدیث حسن، انظر ازان المعاد: ۲۰۱/۵)

یعنی غصے کی حالت میں نہ ہی طلاق واقع ہوگی، نہ ہی عتق اخلاق کی تشریح کرتے ہوئے ابن القیم نے امام احمد سے نقل کیا کہ: "بَعِيَّ الغَضَبِ هَذَا نَصُّ أَحْمَدَ حَكَاهُ عَنْهُ الْفَخْلَانِ وَأَبُو بَكْرِ فِي "الشَّافِي" وَ"زَادَ الْمَسَافِرِ". فَهَذَا تَفْسِيرُ أَحْمَدَ. وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ فِي سَنَنِهِ: أَطْلَقَ الغَضَبِ" (ازان المعاد: ۱۹۵/۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "وَحَقِيقَةُ الْإِغْلَاقِ أَنْ يَغْلِقَ عَلَى الرَّجُلِ قَلْبُهُ فَلَا يَقْضِي الْكَلَامَ أَوْ لَا يَعْلَمُ بِهِ كَأَنَّهُ انْغَلَقَ عَلَيْهِ قَضْدُهُ وَإِذْ أَذِنَ" (المستدرک علی مجموع الفتاوی: ۶۲۵)

اور اگر طلاق دیتے وقت اس کا غصہ اس قدر شدید نہ تھا، بلکہ جو کچھ لیاقت حسین نے زبان سے کہا سمجھ کر اور نیت کر کے کہا تو اس کی طلاق واقع ہوگئی ہے۔ البتہ چونکہ اس نے ایک ہی طلاق دی ہے اس لئے اگر اس سے پہلے اس نے اپنی بیوی سلام النساء کو دوسرے معتبر طلاق نہیں دی ہے، اور یہ اس کی پہلی یا



زید اپنے فعل پر نام اور پشیمان ہے، زید چاہتا ہے کہ ہم اسے دوبارہ اپنے ساتھ رکھیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عند اناس مشکور اور عند اللہ مآجور ہوں۔

نوٹ: طلاق دے ہوئے صرف پندرہ دن ہوئے ہیں۔  
جواب: طلاق دیتے وقت اگر زید کا غصہ اس قدر شدید نہیں تھا کہ مجنون کی طرح ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع ہوگئی، مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس میں تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اس واسطے زید کی مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جائے گی اور اگر اس نے اس سے قبل اپنی بیوی کو دوسرا معتبر طلاق نہیں دی ہے، تو عدت میں اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد از سر نو عقد نکاح کرنا پڑے گا۔ اور اگر زید کا غصہ اس قدر شدید تھا کہ وہ مجنون کی طرح سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا تھا اور اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اس کی زبان سے کیا نکل رہا ہے، تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

### ایک مجلس کی تین طلاق:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاق اس جملہ کے ساتھ دیا کہ فلاں بن فلاں ہم نے تیرا طلاق دیا، جبکہ بیوی حالت حمل میں چار ماہ سے تھی اور چار ماہ شوہر سے الگ تھی اب حمل کا آٹھواں مہینہ ہے اور مرد وعورت دونوں رضا مند ہیں، اپنی ازدواجی زندگی میاں بیوی کی طرح گزارنے کے لئے تو کیا ایسی صورت حال میں طلاق واقع ہوگئی کہ نہیں؟

جواب: مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع ہوگئی ہے البتہ جو جملہ اس نے استعمال کیا ہے کہ فلاں بن فلاں ہم نے تیرا طلاق دیا وہ واضح نہیں ہے کیونکہ اگر تیرا (ت سے را) بمعنی تجھ کو یا تم کو ہے اور اسی جملے کو اس نے ایک مجلس میں تین مرتبہ دہرایا ہے تو اس کی یہ ایک طلاق ہوگی، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر

بجٹھا کیا اور آپسی نگرار اس حد تک بڑھ گئی کہ فرزند بد حواس ہو کر جنون میں شدید غصے میں آپے سے باہر ہو گیا، اور طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا۔

جنون غصہ دور ہوا، اگلے دن اس کو یاد دلایا جس پر وہ شرمندہ ہے، صورت مسئلہ میں کیا طلاق رجعی یا باندہ ہوگی دونوں خاندان باوقار، باعزت ہیں، شرعی جواب دے کر مشکور فرمائیں، تاکہ پھر ایک بار اجزا ہوا خاندان مل جائے۔

جواب: اگر مذکورہ بالا بیان درست ہے اور واقعی آپ کے بیٹے نے بیوی سے شدید نزاع اور نگرار کی وجہ سے بد حواس ہو کر جنون میں اور شدید غصے میں آپے سے باہر ہو کر طلاق دی ہے تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکتا ہے، رجوع یا عقد جدید کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا طلاق، ولا عتاق فی غلغلی“

(اخرجہ ابن ماجہ: ۲۰۳۶، ابوداؤد: ۲۱۹۳، و أحمد: ۲۲۲۶۰، والنحاکم: ۲۸۰۲، والبیہقی: فی السنن الکبری: ۱۵۰۹۷، وهو حدیث حسن، انظر زاد المعاد: ۲۰۱/۵) یعنی حالت اغلاق میں طلاق صحیح نہیں، اور اغلاق کی تفسیر امام احمد رحمہ اللہ نے غضب سے کی ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں: ”أظنته الغضب“ میرے خیال میں اس سے مراد غضب ہے، اور امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس میں مکرمہ، مجنون اور جس کی عقل نشہ یا غصہ کی وجہ سے زائل ہوگئی ہو اور ہر شخص جسے اپنی بات کا علم اور اس کے لئے اس کے دل میں ارادہ نہ ہو سب داخل ہیں، اور امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کی عقل غضب کی وجہ سے زائل ہو جائے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کیا کہا ہے اس کی طلاق بلا اختلاف واقع نہیں ہوگی۔ (زاد المعاد: ۱۹۵/۵)

لہذا بشرط صحت سوال مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور دونوں کی زوجیت برقرار ہے۔ ہذا ماتین لی واللہ اعلم بالصواب۔

### غصہ کی حالت میں ایک مجلس میں

#### تین طلاق:

سوال: زید نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں ایک ہی مجلس میں تینوں طلاقیں دے دی ہیں، غصہ دور ہونے کے بعد

ایک لڑکا ہے۔

زید طلاق دیتے وقت بہت غصہ میں تھا اور آپ سے باہر تھا اب اسے اس بات پر بہت افسوس ہے اور اپنی اس بیوی کو دوبارہ زوجیت میں لانا چاہتا ہے، لہذا آپ سے گزارش ہے کہ اس تعلیق سے شریعت اسلامیہ کے تحت کیا حل نکالا جاسکتا ہے براہ کرم کتاب و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

جواب: اگر زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور غصہ کی وجہ سے وہ بالکل فاقہ العقل اور ہوش حواس سے عاری تھا تو راجح مذہب کے مطابق اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی، لیکن اگر ہوش و حواس برقرار تھے صحیح و غلط کی تیسر تھی تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگئی لیکن چونکہ تیوں طلاق ایک ہی مجلس میں اور ایک ہی وقت میں دی ہے لہذا یہ ایک طلاق ہی شمار کی جائے گی، اور اگر عدت ختم نہیں ہوئی ہے تو آپ چاہیں تو اپنی بیوی سے رجوع کر سکتے ہیں، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور دو سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اس طرح سے حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیا پھر اس کے بعد بہت پریشان ہوئے تو اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کتنی طلاق دی ہے؟ انہوں نے کہا کہ تین؟ آپ نے فرمایا: ایک ہی مجلس میں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ ایک ہی طلاق ہوئی اگر چاہو تو رجوع کرلو۔ (سنن ابی داؤد: ۲۰۰۶، و حسن استادہ الشیخ شعیب الارزق و سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۱، و مسند احمد: ۲۳۸۷)

اور اگر رجوع سے قبل ہی عدت ختم ہوگئی اور اس کے قبل آپ نے اس عورت کو دو معتبر طلاق نہیں دی ہے تو اب اس زینو عقد نکاح کر کے اسے اپنی زوجیت میں لاسکتے ہیں حلالہ کی ضرورت نہیں۔

رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی مانی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲)

اور اگر اس نے اس سے پہلے اس عورت کو دو شرعاً معتبر طلاق نہیں دی ہے تو وضع حمل سے قبل وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے، اور وضع حمل کے بعد اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور اس کو عقد نکاح کرنا پڑیگا۔

اور اگر تیسرا (تیسری) ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس سے پہلے وہ اس کو دو طلاق دے چکا ہے اور یہ تیسری مرتبہ طلاق ہے تو اب رجوع اور عقد جدید کی کوئی گنجائش نہیں، ہاں اگر یہ عورت کسی مرد سے ازدواجی زندگی گزارنے کی نیت سے (مروء حلالہ کی نیت سے نہیں) نکاح کرے پھر خدا نخواستہ اس کا مرد انتقال کر جائے یا باہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد یہ دونوں پھر نکاح کر سکتے ہیں۔

سوال: زید نے نہایت ہی غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، اور کہنے کا اقرار خود زید نے بھی کیا۔ لہذا اب فرمایا جائے کہ زید اور اس کی بیوی کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن حدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر عندا اللہ ما جو رہوں۔

جواب: اگر زید کا غصہ اس قدر شدید تھا کہ شدت غضب سے وہ مجنون کی طرح سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا، اور اس کے منہ سے کیا نکل رہا تھا اسے کچھ پتہ نہیں تھا تو ایسی صورت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر غصہ معمولی تھا اور ہوش حواس میں اس نے طلاق دی ہے تو طلاق واقع ہوگئی ہے۔

البتہ چونکہ اس نے تیوں طلاق ایک ہی مجلس میں دی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دو سال تک ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲) اس واسطے اس کی ایک ہی طلاق واقع ہوئی۔

سوال: زید نے اپنی بیوی کو ماہ قبل وقت واحد میں زبانی طور پر تین طلاق دے دیا ہے اس وقت بیوی حاملہ تھی اب ایک ماہ قبل اسے لڑکا تولد ہوا ہے زید کے اس سے چار لڑکیاں اور



فروری کے مہینے میں اسلامک انفارمیشن سینٹر کی جانب سے منعقد کیے گئے پروگرامز کی ایک جھلک

WhatsApp: 888887324 Website: icaromessage.com IslamicInformationCentre

مفت واری دینی و اصلاحی

# اجتماع

رشتہ داری کی  
اہمیت و ضرورت

## RISHTEDARI KI AHMIYAT WA ZARORAT

فتیہ الشیخ سہیل احمد صابئی حفظہ اللہ

Monday 06<sup>th</sup> February 2017, After Namaz-e-Magrib

GALA NO. 3, SWASTIK CHAMBERS, BELOW KURLA NURSING HOME,  
OPR NOOR/HAN-1, PIPE ROAD, KURLA (WEST), MUMBAI - 400070

ic Islamic Information Centre

QUESTIONS & ANSWERS SLAM

26500400/64269999  
08080801882

KURLA: 3-Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noor/Han-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai - 70  
MUMBAI: Ashraf Bakery Compound, Next to Laxmi Ring, Ashraf Bin Juma Masjid, Ashraf (W), Main St

WhatsApp: 888887324 Website: icaromessage.com IslamicInformationCentre

دارالافتحان انجمن کشیش و فیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام

ماہنامہ دعوتی و اصلاحی پروگرام بعنوان

# احتساب نفس

آخرت کے حساب کا خوف

## AAKHIRAT KE HISAB KA KHAUF

فتیہ الشیخ ابوالعباس رفعت سلفی حفظہ اللہ

ic Islamic Information Centre

MAJID AHMED KAREEM

QUESTIONS & ANSWERS SLAM

26500400/64269999  
08080801882

KURLA: 3-Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noor/Han-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai - 70  
MUMBAI: Ashraf Bakery Compound, Next to Laxmi Ring, Ashraf Bin Juma Masjid, Ashraf (W), Main St

WhatsApp: 888887324 Website: icaromessage.com IslamicInformationCentre

تیسرا ماہنامہ دعوتی و اصلاحی اجتماع

اللہ کا گھر اور ہماری ذمہ داریاں

شیخ ابوالعباس رفعت سلفی حفظہ اللہ

بچوں کی تربیت کیسے کریں

شیخ ابوالوقار، پتھر بندوی حفظہ اللہ

اتحاد کے فوائد اور اختلاف کے نقصانات

شیخ نور الحسن سلفی حفظہ اللہ

بروز: کلچر 5 مارچ کو صبح 9 بجے دارالافتحان 1003 کے شعبہ

اساتذہ کرام، والدین، بچے، سب کی جگہ کو دعوت دی ہے

کے ساتھ 10 بجے 12 بجے تک مفت کھانا پیش کیا جائے گا

ic Islamic Information Centre

MAJID AHMED KAREEM

QUESTIONS & ANSWERS SLAM

26500400/64269999  
08080801882

KURLA: 3-Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noor/Han-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai - 70  
MUMBAI: Ashraf Bakery Compound, Next to Laxmi Ring, Ashraf Bin Juma Masjid, Ashraf (W), Main St

WhatsApp: 888887324 Website: icaromessage.com IslamicInformationCentre

گناہ کے اسباب و نتائج!

# GUNAH

KE ASBAB WA NATAYEJ!

## गुनाह के असाब वा नतायज

فتیہ الشیخ قاضی اسماعیل فیضی حفظہ اللہ

(ماہنامہ تبلیغ اسلام کے قاضی اسماعیل فیضی حفظہ اللہ کے زیر اہتمام)

Sunday 19<sup>th</sup> February 2017, After Namaz-e-Magrib

GALA NO. 3, SWASTIK CHAMBERS, BELOW KURLA NURSING HOME,  
OPR NOOR/HAN-1, PIPE ROAD, KURLA (WEST), MUMBAI - 400070

ic Islamic Information Centre

MAJID AHMED KAREEM

QUESTIONS & ANSWERS SLAM

26500400/64269999  
08080801882

KURLA: 3-Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noor/Han-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai - 70  
MUMBAI: Ashraf Bakery Compound, Next to Laxmi Ring, Ashraf Bin Juma Masjid, Ashraf (W), Main St



الحمد لله الذي جعلنا من هذه الورقة من بين الكتب التي تليق في بيوت العلماء والدارين في العلوم الدينية

لیوں  
سم

# ڈپلومہ ان شریعہ اسٹڈیز



مسلمانوں کے حقوق \* والدین کے حقوق \* اولاد کے حقوق \* شوہر، بیوی کے حقوق  
پڑوسیوں کے حقوق \* مزدوروں کے حقوق \* غیر مسلموں کے حقوق \* جانوروں کے حقوق

دوسرے ممالک  
لیوں  
سم

عربی زبان کی بنیادی تعلیم جو قرآن وحدیث کے فہم میں رہنما ثابت ہوا

چند بنیادی حقوق کی معرفت

مختصر عربی گرامر کورس

ان شاء اللہ: کورس کا آغاز ۱۲ مارچ کے ۲۰۱۷ بروز اتوار

جلدی کریں حقوق اور مختصر عربی گرامر کی معرفت حاصل کرنے کے لئے خود ایڈمیشن لیں اور اپنے بچوں کا بھی ایڈمیشن کرائیں۔

کورس کی تفصیلات: \* دس ہفتوں پر مشتمل کورس (ہفتہ شریف ایک دن کلاس بروز اتوار وقت صبح ۹ بجے تا ۱۲ بجے دوپہر) \* انشا اللہ: تھیم کا آغاز ۱۲ مارچ عامہ  
\* تعلیمی ہفتہ ۱۲ مارچ عامہ و بروز اتوار ۱۳ مارچ عامہ پر عمل عامہ بروز اتوار \* افتتاحی تلاوت کی عامہ بروز اتوار \* تہنیتی ۱۳ مارچ عامہ و بروز اتوار

## DIPLOMA IN SHARIAH STUDIES

TEN WEEKS COURSE  
LEVEL 4

CHAND BUNYADI  
HUQOOQ KI MARFAT

↳ Mussalman ke Huqooq ↳ Waleeds ke Huqooq ↳ Aulad ke Huqooq ↳ Shehar-Biwi ke Huqooq  
↳ Padosiyon ke Huqooq ↳ Mazdooron ke Huqooq ↳ Gair Muslimon ke Huqooq ↳ Jannaton ke Huqooq

MUKHTASAR ARABIC GRAMMAR COURSE

↳ Asabi Zuban Ki Bunyadi Ta'lim Jo Qur'an Wa Hadith Ke Faham Me Bahusna Sahit Ho.

Course Duration Ten Weeks

(Weekly Classes 12th March 2017 To 30th April 2017)

In Sha Allah Classes Starting

On 12th March 2017 (Sunday)

CLASS ONLY ON SUNDAYS-09:00 A.M. TO 12:30 P.M.

EXAM DATE : 07TH MAY 2017 (SUNDAY) \* RESULT DATE : 14TH MAY 2017 (SUNDAY)

Notes  
Available in  
Urdu  
&  
English

کلاس سینٹر:

Kurla

Islamic Information Centre, Gala No.6,  
Swastik Chambers, Below Kuria Nursing Home,  
Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-70. Ph. 26500400

Andheri

اندھیری

Islamic Information Centre, Mukund House,  
Next to Jumbo King, Near Andheri Station Jama Masjid,  
Andheri (West), Mumbai-58. Ph. 64209999

Study Centers

کرلا

Ilmi Nigrah : Sk. Abdus Shakoor Madani, Sk. Akbar Ali Salafi

شیخ عبدالغفور عبدالرحمن مدنی حفظہ اللہ \* شیخ اکبر علی اختر علی مدنی حفظہ اللہ

ORGANIZED BY:

Islamic  
Information  
Centre

اسلامک انفارمیشن سینٹر

CONTACT FOR MORE DETAILS REGARDING COURSE

7800394012/8291063785

NEW STUDENTS WELCOME

Separate  
Arrangement for  
LADIES

خواتین کے لیے پردے کا انتظام ہے۔

If Undelivered Please Return To

To,

Book Post



Ahl us Sunnah

Islamic Information Centre

Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kuria Nursing Home,  
opp. Nandipani-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070.  
Ph. 26500400 / 64269999